- سُنّت کی اہمیت اور اُس کے صحیح مقام کا معروضی خاکہ
- احادیث کے بارے میں بُنیادی سوالوں کے جوابات
- شکوک وشبہات اور مُغالطوں کا تسلی بخش تجزیہ
- سُنّت اور اُس کے عمومی خدّوخال پر انتہائی مُفید کتاب

مولانا جسٹس محمّد تقی عثمانی کی انگریزی کتاب
"The Authority Of Sunnah" کا سلیس اُردو ترجمہ

تصنیف : مولانا جسٹس محمّد تقی عثمانی

اُردو ترجمہ : سعود اشرف عثمانی

طبع اول .... محرم الحرام ۱۴۱۱ھ (اگست ۱۹۹۱ء)

باہتمام .... اشرف برادران سلّمہم الرحمٰن

ناشر .... ادارۂ اسلامیات لاہور

کمپوزنگ .... ایم یو کمپوزنگ سنٹر دربار مارکیٹ لاہور

ادارۂ اسلامیات
پبلشرز۔ بک سیلرز۔ ایکسپورٹرز

۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان

ملنے کا پتہ :-

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور نمبر ۲

ادار ۃ المعارف ڈاک خانہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

مکتبہ دارالعلوم ڈاک خانہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

دارالاشاعت ۔ اردو بازار کراچی نمبر ۱

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ۔

اما بعد، قرآن کریم کے بعد احادیثِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اسلامی احکام اور تعلیمات کا دوسرا بڑا ماٰخذ ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ خود قرآنِ کریم کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا، اُس سے احکام اخذ کرنا اور اُس پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق عمل کرنا بھی رسول کریمؐ کی تعلیم اور رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں۔ لیکن کچھ عرصہ سے بعض حضرات نے احادیثِ نبویؐ کی حجیت اور اہمیت کو مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلے میں طرح طرح کے شبہات پیدا کئے ہیں۔ ان شکوک وشبہات کے ازالے کے لئے اُردو میں خاصا لٹریچر منظرِ عام پر آیا ہے لیکن انگریزی زبان میں ایک ایسے مختصر کتابچے کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی جو مختصر وقت میں حدیث کا تعارف کرا کر اُن شبہات کا ازالہ کرسکے جو ایک عام آدمی کے ذہن میں پیدا کر دیئے گئے ہیں۔

اتفاق سے ۱۹۸۹ء میں عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوت کے زیرِ اہتمام "حجیتِ حدیث" کے موضوع پر شکاگو (امریکہ) میں ایک محفلِ مذاکرہ ترتیب دی گئی جس میں احقر کو بھی "حجیتِ حدیث" کے موضوع پر خطاب کی دعوت دی گئی۔ میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہُوئے انگریزی میں ایک مقالہ "THE AUTHORITY OF SUNNAH" کے نام سے لکھا جس کا خلاصہ مذکورہ کانفرنس میں پیش کیا گیا۔ بعد میں یہ مقالہ کتابی صورت میں بھی ادارۃ القرآن کراچی نے شائع کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس مقالے کو مقبولیت حاصل ہوئی اور احباب نے اس لحاظ سے اُسے پسند کیا کہ اُس میں اختصار کے ساتھ موضوع سے متعلق ضروری باتیں جمع ہوگئی ہیں۔ بعض حضرات کا خیال ہُوا کہ اس مقالے کا اردو ترجمہ ہو جائے تو انشاء اللہ وہ اردو داں حضرات کے لئے بھی فائدہ مند ہو گا۔

چنانچہ احقر کے ہونہار بھتیجے عزیزم سعود اشرف عثمانی سلمہٗ نے اس کتاب کے ترجمہ کی ذمہ داری قبول کی اور بفضلہٖ تعالیٰ انہوں نے بڑی قابلیت کے ساتھ یہ خدمت انجام دی۔ اُن کا یہ ترجمہ ماشاء اللہ بہت سلیس اور شگفتہ ہے اور اُنہوں نے اصل کتاب کے مضمون کے ساتھ پورا انصاف کرتے ہُوئے اُردو عبارت کی روانی کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ میں نے اس ترجمہ کے بیشتر حصّے کا مطالعہ کیا ہے اور اسے قابلِ اطمینان پایا ہے۔ دل سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کی عمر اور علم وعمل میں برکت عطا فرمائیں اور اُنہیں اس قسم کی دینی خدمات کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین !

یہ اردو ترجمہ "حجیتِ حدیث" کے نام سے ایک مرتبہ شائع ہو کر بفضلہٖ تعالیٰ اہلِ نظر کی پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔ اب دُوسرا ایڈیشن شائع ہو رہا ہے۔ اس موقع پر عزیز موصوف کی فرمائش پر یہ چند سطور تحریر کردی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں اور اس کے مؤلف، مترجم اور ناشر تینوں کے لئے اسے ذخیرۂ آخرت بنائیں۔ آمین ! وما توفیقی الا باللہ ۔

محمد تقی عثمانی عفی عنہ لاہور ۱۷رشوال ۱۴۱۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

" پیش لفظ "

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ اللذین اصطفی

اکتوبر ۱۹۸۹ء میں مجھے ایک بین الاقوامی اسلامی تنظیم کی جانب سے شکاگو میں منعقدہ بین الاقوامی کانفرنس میں " حجیت حدیث " کے موضوع پر مقالہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی۔

کافی مدت سے میرے ذہن میں " رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت " کے موضوع پر انگریزی میں ایک مختصر کتاب کی ضرورت کا احساس تھا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت کا تعارف ، اس کے عمومی خدوخال ، حجیت حدیث کا مقام اور استنادی معیار کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کی گئی ہوں۔

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے ضرورت کے پیش نظر موضوع پر نسبتاً تفصیل سے لکھنا شروع کر دیا جو اس قسم کی کسی کانفرنس میں پیش کیے جانے والے کسی مقالے کی ضرورت سے زائد تھا چنانچہ زیر نظر کتاب اسی سلسلے کے کام کا نتیجہ ہے۔

یہ کتاب ایک عام قاری کے لیے لکھی گئی ہے جو یہ جاننا چاہتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت کیا ہے ؟ موجودہ اور آنے والے تمام زمانوں میں دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے اس کے احکامات کیوں اور کیسے واجب التعمیل ہیں ؟ اور امت نے آئندہ نسلوں تک اسے محفوظ صورت میں منتقل کرنے کے

لیے کیا معیار تشکیل دیئے ہیں ؟

مجھے امید ہے کہ یہ حقیر کاوش اس قسم کے تمام سوالوں کے مختصر لیکن واضح جوابات فراہم کر سکے گی اور اسلامی قانون کے ماخذ کے طور پر سنت کا درست مقام پہچاننے میں کار آمد ثابت ہو گی ۔ نیز ایسی مشعل ہدایت کا کام دے گی جس کی روشنی میں مسلمانوں کی عملی زندگیاں سنور سکیں ۔ اسی کے ساتھ ساتھ مجھے یہ بھی امید ہے کہ ہمارے عہد کے کئی مصنّفین کے حجیت حدیث کے بارے میں پیدا کردہ شکوک و شبہات بھی اس کے ذریعے رفع ہو سکیں گے ۔

اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ وہ اس حقیر کوشش کو قبول فرمائیں ۔ اسے اپنی رضا کا باعث اور قارئین کے لیے مفید و کار آمد بنا دیں (آمین)

محمد تقی عثمانی

باب نمبر 1

سنت : اسلامی قانون کا دوسرا سرچشمہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت کو قرآن کریم کے بعد اسلامی قانون کا دوسرا اہم ترین ماخذ تسلیم کیا گیا ہے۔ سنت کا یہ مقام صدیوں سے مسلم اور غیر متنازعہ رہا ہے اور اگرچہ فقہی آراء کے بارے میں مسلمانوں میں مختلف نقطہ نظر رہے ہیں لیکن قرآن حکیم اور سنت نبوی کی حجیت کا کسی ماہر قانون نے کبھی انکار نہیں کیا۔ چند ایسے متفرق افراد کی انفرادی آراء سے قطع نظر جنہوں نے اپنے آپ کو مسلم امت کے اجتماعی دھارے سے خود الگ کر لیا تھا۔ کسی فرد نے کبھی اسلامی قانون کے بنیادی اور اہم ماخذ کی حیثیت سے سنت کا درجہ چیلنج نہیں کیا۔

یہ صورتحال اب تک برقرار ہے لیکن پچھلی صدی کے دوران چند غیر مسلم مستشرقین اور ان کے پیروکاروں نے کوشش کی ہے کہ حدیث کی حجیت یا اس کی استنادی حیثیت کے بارے میں ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں اور سنت کے خلاف شکوک و شبہات رکھنے والے طرز فکر کو فروغ دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ کئی مسلمان جو اسلام کا اس کے اصل ماخذ کے ذریعہ مطالعہ نہیں کر سکتے۔ ان کتابوں کو پڑھ کر اس موضوع پر شکوک و شبہات کا شکار ہو گئے۔

اس صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ تحریر کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کے بنیادی ماخذ کی روشنی میں سنت کا ایک سادہ اور معروضی خاکہ پیش کر دیا جائے۔ اس تحریر کا منشاء اس مناظرانہ فضا میں ملوث ہونا نہیں ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہوتی بلکہ منشاء یہ ہے کہ حقیقت کو اس کی صحیح اور اصل صورت

میں بیان کر دیا جائے۔

سنت کی تعریف

علوم حدیث کے ماہرین نے سنت کی درج ذیل تعریف بیان کی ہے۔

" رسالتماب نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کوئی قول ، فعل یا تقریر سنت کہلاتی ہے "

" تقریر " محدثین کی ایک اصطلاح ہے اور اس تعریف میں اس سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی بات کہی یا کسی خاص فعل کو اختیار کیا اور اس کا یہ قول یا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آیا تو آپ نے واضح الفاظ میں اس کی توثیق فرمائی یا ناپسندیدگی کا اظہار فرمائے بغیر سکوت اختیار فرمایا ۔ یہ سکوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ایک معنوی رضا مندی ہے اس لیے یہ بھی سنت کی اصطلاح میں داخل ہے۔

چونکہ سنت کی تینوں جہتیں (قول ، فعل ، تقریر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات اقدس سے متعلق ہیں اس لئے اسلامی قانون میں سنت کا صحیح مقام اور مرتبے کا تعین خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات مبارک کے مقام اور مرتبے کو سمجھے بغیر ممکن نہیں ہے۔

پیغمبر علیہ الصلواۃ والسلام کا مرتبہ

چنانچہ اس سلسلے میں پہلا سوال یہ ہے کہ جب کوئی پیغمبر اللہ تعالیٰ کی جانب سے لوگوں کی طرف بھیجا جاتا ہے تو اس کی حیثیت کیا ہوتی ہے ؟ کیا اس کا مقام و مرتبہ ایک پیامبر یا ڈاکیے کی طرح کو ہوتا ہے جو خط پہنچا کر اپنی ذمے داری سے سبکدوش ہو جاتا ہے اور خط کے مندرجات وغیرہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں

ہوتا۔

اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ انبیاء کرام فقط اسی کام پر مامور نہیں ہوتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیں اور بس۔ بلکہ ان کے ذمے یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ کتاب اللہ کی تشریح و تفسیر کریں۔ اس کے عملی اطلاق کے طریقے بتائیں اور ایک ایسی عملی مثال قائم کریں جو کتاب اللہ کی ہدایت پر پوری اترتی ہو ' ان کا فریضہ منصبی اللہ تعالیٰ کی کتاب کے صرف الفاظ پڑھ دینے پر مکمل نہیں ہو جاتا بلکہ یہ بھی ان کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ اس کی تعلیم بھی دیں اور اس تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے لوگوں کی تربیت بھی کریں۔ قرآن کریم میں اس بات کا وضاحت سے اعلان فرما کر کسی شک کی گنجائش نہیں رہنے دی گئی۔

لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُوْلاً مِنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلاَلٍ مُبِيْنٍ۔

" حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جب ان میں ان ہی کی جنس سے ایک پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ قبل سے صریح غلطی پر تھے۔" (۳-۱۶۴)

هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِنْهُمْ یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ آیَاتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ

" وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی سکھلاتے ہیں۔" (۲-۶۲)

یہی وہ مقاصد ہیں جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سونپے جانے کی دعا سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے فرمائی تھی۔ قرآن کریم میں یہ دعا اس طرح مذکور ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلاً مِنْهُمْ یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ آیَاتِکَ وَیُعَلِّمُهُم الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَیُزَکِّیْهِمْ

" اے ہمارے پروردگار! اور اس جماعت کے اندر انہی میں کے ایک ایسے پیغمبر بھی مقرر کیجئے جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو کتاب کی اور خوش فہمی کی تعلیم دیا کریں اور ان کو پاک کردیں۔" (۱۲۹-۲)

محولہ بالا آیات میں مندرجہ ذیل چار واضح اور جداگانہ فرائض کی ذمے داریاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سونپی گئی ہیں۔

۱- کتاب اللہ کی آیات پڑھ کر سنانا (یتلو علیهم ایاته)

۲- کتاب کی تعلیم (یعلمهم الکتاب)

۳۔ حکمت کی تعلیم (والحکمتہ)

۴۔ تزکیہ (ویزکیھم)

چنانچہ قرآن حکیم نے اس بارے میں شک و شبہے کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمے یہی نہیں ہے کہ محض آیات کو پڑھ کر سنا دیں اور اس کے بعد لوگوں کو کھلی چھٹی دے دیں کہ وہ جس طرح چاہیں اس کی تشریح کریں اور جس طرح چاہیں اس پر عمل کر لیا کریں۔ بلکہ اس کے برعکس آپ کو کتاب اللہ کی تعلیم کے لئے بھی بھیجا گیا ہے۔ پھر چونکہ محض "کتاب" کی تعلیم ہی کافی نہ تھی لہٰذا آپ کے ذمے یہ بھی ہے کہ لوگوں کو "حکمت" کی تعلیم دیں جو "کتاب" کے علاوہ ایک اضافی چیز ہے۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوگوں کو "تزکیہ" کرنے کا فریضہ بھی سونپا گیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب اللہ اور حکمت کی نظریاتی تعلیم کے ساتھ ساتھ اس کی عملی تربیت کا بھی انتظام کیا جائے تاکہ لوگ کتاب اللہ اور حکمت کی تعلیمات پر اس طریقے سے عمل پیرا ہو سکیں جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے مطابق ہے۔

قرآن کریم کی یہ آیت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کے لئے مندرجہ ذیل چار وظائف بیان کرتی ہے۔

۱۔ قرآن پاک کی تلاوت اور پڑھنے کے طریقے کے بارے میں آپؐ کا طریقہ حجت ہے۔

۲۔ کتاب اللہ کی تشریح کے بارے میں آپؐ کی بات حرف آخر ہے۔

۳۔ دینی رہنمائی پر مبنی حکمت سیکھنے کے لئے آپؐ کی ذات واحد سرچشمہ ہے

۴۔ اپنی تعلیمات کو روبہ عمل لانے کے لئے لوگوں کی عملی تربیت کا فریضہ آپ

کو سونپا گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان فرائض و مقاصد کی انجام دہی کے لئے یہ لازمی تھا کہ آپؐ کی تعلیمات خواہ زبانی ہوں یا عملی، آپؐ کے ماننے والوں کے لیے واجب الاطاعت ہوں اور وہ مسلمان جو آپؐ کے زیر تربیت ہیں آپؐ کی بات ماننے اور اس پر عمل کرنے کے پابند بنا دیئے جائیں مندرجہ بالا فرائض میں سے "۲ اور ۳" یعنی کتاب اور حکمت کی تعلیم کا لازمی تقاضا ہے کہ آپ کے ارشادات آپ کے ماننے والوں کے لئے واجب العمل ہوں جب عملی تربیت کا فریضہ "۴" اس کا متقاضی ہے کہ آپ کے افعال امت کے لیے ایک مثال ہوں اور امت ان کی پیروی کرنے کی پابند ہو۔

یہ محض ایک منطقی استنباط نہیں ہے جو قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت سے اخذ کر لیا گیا ہو۔ بلکہ یہ قرآن کریم کی بے شمار آیات کے واضح احکام ہیں جن کے تحت مسلمانوں پر پیغمبر علیہ الصلواۃ والسلام کی اطاعت اور پیروی لازم کی گئی ہے ان احکام کے سلسلے میں قرآن حکیم نے دو مختلف اصطلاحیں استعمال کی ہیں یعنی (i) اطاعت (بات ماننا) اور (ii) اتباع (پیروی کرنا)۔ پہلی اصطلاح کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات اور ارشادات سے ہے جب کہ دوسری اصطلاح آپؐ کے افعال و اعمال سے متعلق ہے اس طرح مسلمانوں کو اطاعت اور اتباع کا حکم دے کر قرآن کریم نے آپؐ کے ارشادات اور افعال دونوں کو حتمی حجت قرار دے دیا ہے۔

رسول کی اطاعت

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں بار بار "پیغمبر کی اطاعت" پر زور دیا جاتا ہے حتیٰ کہ "اطاعت رسول" کو "اللہ کی اطاعت" کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

قُلْ أَطِيْعُوا اللهَ وَ الرَّسُوْلَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَايُحِبُّ الكَافِرِيْنَ

" آپ فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ کی اور اس کے رسول ؐ کی پھر اگر وہ لوگ اعتراض کریں سو اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے۔" (۳۲ - ۳)

وَأَطِيْعُوا اللهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

" اور خوشی سے کہنا مانو اللہ تعالیٰ کا اور رسول ؐ کا۔ امید ہے کہ تم رحم کئے جاؤ گے۔" (۱۳۲- ۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللهَ وَالرَّسُوْلَ وَأُولِي الأَمْرِ مِنْكُمْ

" اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول ؐ کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی۔" (۵۹ - ۴)

وَأَطِيْعُوا اللهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوا

" اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو۔" (۹۲ - ۵)

فَاتَّقُوا اللهَ وَأَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيْعُوا اللهَ وَرَسُوْلَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ

" سو تم اللہ سے ڈرو اور باہمی تعلقات کی اصلاح کرو اور اللہ کی اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔" (۱ - ۸)

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللهَ وَرَسُوْلَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ

" اے ایمان والو! اللہ کا کہنا مانو اور اس کے رسولؐ کا اور اس سے روگردانی مت کرنا اور تم سن تو لیتے ہی ہو۔ " (۸-۲۰)

وَأَطِيْعُوا اللهَ وَرَسُوْلَهُ وَلَاتَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا

" اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور نزاع مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے۔ " (۸-۴۶)

قُلْ أَطِيْعُوا اللهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا

" آپ کہئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو، پھر اگر تم لوگ روگردانی کرو گے تو سمجھ رکھو کہ رسولؐ کے ذمہ وہی ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا ہے اور تمھارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا ہے اور اگر تم ان کی اطاعت کر لی تو راہ پر جا لگو گے۔ " (۲۴-۵۴)

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَاتُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ

" اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد مت کرو۔ " (۴۷-۳۳)

فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا اللهَ وَرَسُولَهُ

" تم نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانا کرو۔" (۱۳-۵۸)

وَأَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ

" اللہ کا کہنا مانو اور رسولؐ کا کہنا مانو اور اگر تم اعراض کرو گے تو ہمارے رسول کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔"
(۱۲-۶۴)

ان آیات میں رسولؐ کی اطاعت ایک لازمی حکم کے طور پر ہے۔ بہت سی آیات ایسی بھی ہیں جب " رسول کی اطاعت " کے نتائج اور اس کی جزاء ذکر کی گئی ہے ان میں بھی " رسول کی اطاعت " کو " اللہ کی اطاعت " کے ساتھ ساتھ اکٹھا اور یکجا بیان کیا گیا ہے۔

وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

" اور جو شخص اللہ تعالٰی اور رسولؐ کی پوری اطاعت کرے گا اللہ تعالٰی اس کو ایسی بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔" (۱۳-۴)

یہی الفاظ (۱۷-۴۸) میں بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

وَمَن يُطِعِ اللہ وَالرَّسُولَ فَاُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللہ عَلَيْهِمْ

" اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ۔ " (۶۹ – ۴)

وَمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذَا دُعُوْا إِلَى اللہ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِلا أَنْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ . وَمَن يُطِعِ اللہ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللہ وَيَتَّقْهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ

" مسلمانوں کا قول تو جب کہ ان کو اللہ کی اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان میں فیصلہ کر دیں یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا ۔ ایسے لوگ فلاح پائیں گے ۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کا کہا مانے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی مخالفت سے بچے ۔ بس ایسے لوگ بامراد ہوں گے ۔ " (۵۲ – ۲۴)

وَمَن يُطِعِ اللہَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا

" اور جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا ۔ " (۷۱ – ۳۳)

الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ أُولٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ، إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

" اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کا کہنا مانتے ہیں ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحمت کرے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ قادر ہے حکمت والا ہے۔" (۷۱ - ۹)

وَإِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ لَايَلِتْكُمْ مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا

" اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کا کہنا مان لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے ذرا بھی کمی نہ کرے گا۔" (۱۴ - ۴۹)

قرآن کریم میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ " رسول کی اطاعت " یا " فرمانبرداری " نہ تو اللہ کا کوئی نیا قانون ہے اور نہ اس کا اطلاق صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک مخصوص ہے بلکہ آپؐ سے پیشتر بھیجے جانے والے تمام انبیاء کے لئے بھی یہی اصول کارفرما رہا ہے۔

وَمَاأَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلاَّ لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ

" اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے کہ بہ حکم خداوندی ان کی اطاعت کی جاوے ۔ "

(۴ - ۶۴)

قرآن کریم نے اس بات کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ تمام رسول اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے ترجمان ہیں چنانچہ رسول ؐ کی اطاعت درحقیقت خود اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے ۔

وَمَن يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ

" جس شخص نے رسول ؐ کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی ۔ " (۴ - ۸۰)

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری پر قرآن کریم نے بار بار زور دیا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے ٹھیک اسی طرح " رسول کی نافرمانی " اور اس کے نتائج سے خبردار کیا ہے اور اسے " اللہ کی نافرمانی " کے ساتھ ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے ۔

وَمَن يَعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهُ يُدْخِلْهُ نَاراً خَالِداً فِيْهَا

" اور جو شخص اللہ اور رسول ؐ کا کہا نہ مانے گا اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جائے گا اس کو آگ میں داخل کر دیں گے اس طور سے کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا ۔ "

(۴ - ۱۴)

وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلالاً مُّبِيْنًا

" اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔" (۳۳-۳۶)

وَمَن يَعْصِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً

" اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہیں مانتے تو یقیناً ان لوگوں کے لئے آتش دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔" (۲۳-۷۲)

وَمَن يُشَاقِقِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ

" اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرتا ہے سو اللہ تعالیٰ سخت سزا دیتے ہیں۔" (۱۳-۸)

أَلَمْ يَعْلَمُوْا أَنَّهُ مَن يُحَادِدِ اللهَ وَرَسُوْلَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ

"کیا ان کو خبر نہیں کہ جو شخص اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرے گا تو ایسے شخص کو دوزخ کی آگ نصیب ہو گی۔" (۶۳-۹)

چنانچہ " اطاعت " کی مثبت اور منفی دونوں جہتوں کا قرآن کریم نے ذکر کیا ہے۔ اور " رسول کی اطاعت " ان میں سے ہر ایک آیت میں جداگانہ مگر " اللہ کی اطاعت " کے ساتھ ساتھ بیان کی گئی ہے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ جب کبھی قرآن میں " اللہ کی اطاعت " کا

ذکر آیا ہے تو اسی کے فوراً بعد " رسول کی اطاعت " کا حکم بھی آیا ہے جو پورے قرآن میں کہیں ایک مرتبہ بھی فردگذاشت نہیں ہوا یعنی پورے قرآن کریم میں کوئی ایک بھی آیت ایسی نہیں ہے جس میں " اللہ کی اطاعت " کا بیان ہو اور اس کے ساتھ فوراً ہی " رسول کی اطاعت " کا ذکر نہ کی گئی ہو۔

اس کے برعکس ایسی کئی آیات ہیں جہاں صرف " رسول کی اطاعت " کا بیان ہے لیکن اس کے ساتھ " اللہ کی اطاعت " کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ .

" اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رسولؐ کی اطاعت کیا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔" (۵۶ - ۲۴)

وَإِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا

" اور اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی تو راہ پر جا لگو گے۔" (۵۴ - ۲۴)

يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْأَرْضُ

" اس روز جنہوں نے کفر کیا ہو گا اور رسولؐ کا کہنا نہ مانا ہو گا وہ اس بات کی آرزو کریں گے کہ کاش ہم زمین کے پیوند ہو جائیں۔" (۴۲ - ۴)

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى

وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْراً ۔

"اور جو شخص رسولؐ کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ
اس کو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر
دوسرے رستے ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے
دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ
ہے جانے کی ۔" (۴ - ۱۱۵)

"اطاعت رسول" کو اس قدر اہمیت کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ یہی ہے کہ اللہ کی اطاعت اس کے بغیر عملاً ممکن نہیں ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہر شخص کو الگ الگ براہ راست یہ نہیں بتلایا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کا اس سے کیا مطالبہ ہے ؟ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے ۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللهُ إِلاَّ وَحْيًا أَوْ مِن
وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلاً فَيُوْحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ

"اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام
فرماوے مگر یا تو الہام سے ۔ یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتہ
کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے
پیغام پہنچا دیتا ہے ۔" (۴۲ - ۵۱)

چنانچہ سنت اللہ یہی ہے کہ وہ اپنے پیغامات اپنے انبیاء کے ذریعے بھیجتا ہے اور اس کے اطاعت کی عملی شکل انبیاء کی اطاعت کے سوا کوئی نہیں ہے چنانچہ جب کوئی پیغمبر کسی بات کی اجازت دیتا ہے یا کسی بات سے منع کرتا ہے تو وہ اپنی ذاتی حیثیت میں نہیں بلکہ پیغمبرانہ حیثیت میں یہ حکم دیتا ہے ۔ جب اللہ

تعالیٰ نے خود صاف طور پر " اطاعت رسول " کا حکم دے دیا تو اب اس کی تعمیل بالواسطہ طور پر " اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے " ۔ قرآن کریم نے یہ بات مندرجہ ذیل واضح الفاظ میں بالکل طے کر دی ہے ۔

وَمَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ

" جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی ۔ " (۸۰ - ۴)

چنانچہ قرآن کریم میں جہاں کہیں " اطاعت رسول " کا ذکر کیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت بغیر کہے اسی میں شامل ہے کیونکہ پیغمبر اپنی پیغمبرانہ حیثیت میں کوئی بات آسمانی وحی کی رہنمائی کے بغیر کہہ ہی نہیں سکتا ۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلاَّ وَحْيٌ يُوحَىٰ

" اور نہ آپ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے ۔ "

(۵۳ - ۳)

اس زاویئے سے دیکھا جائے تو " رسول کی اطاعت " اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کی نمائندگی کرتی ہے اور اول الذکر کے حوالے میں آخرالذکر لازماً شامل ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے کئی مقامات پر صرف اطاعت رسولؐ کا ذکر کافی سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ذکر چھوڑ دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا عملی طریقہ صرف رسولؐ کی اطاعت ہی ہے ۔

اس کے برعکس قرآن کریم میں صرف " اللہ تعالیٰ کی اطاعت " کا ذکر کافی نہیں سمجھا گیا اور اس کے ساتھ رسولؐ کی اطاعت کا الگ ذکر لازمی طور پر کیا گیا

تا کہ اطاعت رسول کو نظرانداز کرنے کے کسی معمولی سے عذر کو بھی ختم کر دیا جائے اور اس بارے میں کوئی خفیف سے خفیف شبہہ بھی باقی نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس وقت تک مکمل نہیں ہے جب تک کہ رسولؐ کی اطاعت اس کی تمام تر جزئیات کے ساتھ اختیار نہ کرلی جائے۔

رسولؐ کا اتباع

اس سلسلے میں قرآن کریم کی دوسری اصطلاح "اتباع" ہے جس کے معنی ہیں پیروی کرنا۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ

"آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے"

(۳-۳۱)

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُوْنَهُ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنْجِيْلِ

"جو لوگ ایسے رسول نبی امیؐ کا اتباع کرتے ہیں، جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔"

(۷-۱۵۷)

فَآمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ.

"سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امیؐ پر جو کہ اللہ اور

اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا اتباع کرو تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ۔" (۱۵۸-۷)

لَقَدْ تَابَ اللهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالأَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِى سَاعَةِ الْعُسْرَةِ

"اللہ تعالیٰ نے پیغمبرؐ پر توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار پر بھی جنہوں نے تنگی کے وقت میں پیغمبرؐ کا ساتھ دیا۔"
(۹-۱۱۷)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

"اے نبی! آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور جن مومنین نے آپ کا اتباع کیا۔" (۶۴-۸)

رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ.

"اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے ان چیزوں پر جو آپ نے نازل فرمائیں اور پیروی اختیار کی ہم نے رسولؐ کی سو ہم کو ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تصدیق کرتے ہیں۔"
(۳-۵۳)

قُلْ هَذِهِ سَبِيْلِى أَدْعُو إِلَى اللهِ عَلَى بَصِيْرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِى

" آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا طریق ہے میں خدا کی طرف اس طور پر بلاتا ہوں کہ میں دلیل پر قائم ہوں - میں بھی اور میرے ساتھ والے بھی - " (۱۰۸ - ۱۲)

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ

" بلاشبہ سب آدمیوں میں زیادہ خصوصیت رکھنے والے (حضرت) ابراھیم کے ساتھ البتہ وہ لوگ تھے جنھوں نے ان کا اتباع کیا تھا - " (۱۴۳ - ۲)

وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً

" اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ان کے دلوں میں شفقت اور مہربانی ڈال دی - " (۲۷ - ۵۷)

وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ نُجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ . (إبراهيم:٤٤)

" اور آپ ان لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جس دن ان پر عذاب آپڑے گا پھر یہ ظالم لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ایک مدت قلیل تک ہم کو مہلت دے دیجئے ہم آپ کا سب کہنا مان لیں گے اور پیغمبروں کا اتباع کریں گے - " (۴۴ - ۱۴)

وما جَعَلْنا القِبْلَةَ الَّتي كُنْتَ عَلَيْها إلا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ على عَقِبَيه

"اور جس قبلے پر تم تھے اس کو ہم نے اس لئے مقرر کیا تھا کہ معلوم کریں کہ کون پیغمبر کے تابع رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔" (۲-۱۴۳)

قالَ يا قَومِ اتَّبِعوا المُرسَلِينَ (يس : ٢٠)

"کہنے لگا اے میری قوم ان رسولوں کی راہ پر چلو۔"

(۳۶-۲۰)

وإنَّ رَبَّكُمُ الرَّحمنُ فاتَّبِعوني و أطيعوا أمْري

(طه : ٩٠)

"اور تمہارا رب رحمٰن ہے سو تم میری راہ پر چلو اور میرا کہا مانو۔" (۲۰-۹۰)

فَقالوا أبَشَراً مِنَّا واحِداً نَتَّبِعُه إنَّا إذا لفي ضَلالٍ وسُعُر (القمر : ٢٤)

"اور کہنے لگے کیا ہم ایسے شخص کا اتباع کریں گے جو ہماری جنس کا آدمی ہے اور اکیلا ہے تو اس صورت میں ہم بڑی غلطی اور جنون میں پڑ جاویں۔" (۵۴-۲۴)

یہ تمام آیتیں مختلف انداز اور مختلف اسالیب سے "اتباع رسول" کی ضرورت پر زور دے رہی ہیں اور واضح طور پر نشان دہی کر رہی ہیں کہ کسی پیغمبر پر ایمان رکھنے والا شخص اس کا اتباع کرنے کا پابند ہے۔ اس کی وجہ بالکل واضح ہے پیغمبر علیہم الصلواۃ والسلام اس لئے بھیجے گئے تھے کہ وہ لوگوں کے لئے اپنی تعلیم و

تبلیغ کے مطابق زندگی بسر کرنے کی ایک عملی مثال قائم کریں ان کا پیغام محض زبانی کلامی تعلیم تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ان کے کردار اور زندگی کا طور طریق بھی راہ ہدایت کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے اتنی ہی اہمیت کا حامل ہے قرآن کریم میں سورۃ الاحزاب میں یہ بات صاف صاف بیان کر دی گئی ہے ۔

لَقَد كانَ لَكُم في رسولِ الله أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَن كانَ يَرْجُو اللّهَ واليَومَ الآخِرَ وذَكَرَ اللهَ كَثيراً

(الأحزاب ، ۲۱)

"تمہارے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین عملی نمونہ ہے اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو ۔"

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ محض نظریاتی تعلیم کسی قوم کی اصلاح کے لئے کافی نہیں ہوا کرتی اصلاح کا فطری طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے ایک عملی مثال قائم کی جائے جس کی وہ اتباع کر سکیں اسی طرح محض نظریاتی تعلیم کسی شخص کو علم کسی علم جن کا ماہر نہیں بنا سکتی تاوقتیکہ اس لے ساتھ ساتھ اس علم یا فن کے کسی اچھے ماہر کے زیر تربیت نہ رہے ۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص میڈیکل سائنس کی تعلیم حال کر رہا ہو لیکن وہ کسی تجربہ کار ڈاکٹر کی نگرانی میں کام نہیں کرتا تو کتابوں کے بھرپور مطالعے کے باوجود وہ ڈاکٹری کی خدمات انجام نہیں دے سکتا اور نہ ایسے شخص کو مریضوں کی جانوں سے کھیلنے کی اجازت دی جا سکتی ہے ۔

اگر کوئی صاحب قانون کے طالب علم ہوں تو جب تک وہ کسی ماہر اور سینئر قانون دان سے اس کام کی عملی تربیت حاصل نہیں کر لیتے اور وہ ایک معتدبہ

وقت اس کی ماتحتی میں نہیں گزار لیتے وہ ایک قانون دان ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

علوم اور فنون کی بات تو الگ رہی ایک عام شخص جسے اچھا کھانا پکانے کا شوق چرائے تو وہ محض اس موضوع پر کتابوں کو پڑھ کر اچھا کھانا نہیں بنا سکتا حالانکہ کھانا پکانے کے اجزائے ترکیبی ' اس کا طریقہ اور معمولی سے معمولی بات بھی کتاب میں وضاحت سے بیان کی گئی ہوتی ہے۔ لیکن وہ شخص جس نے کبھی کھانا بنایا ہی نہیں عمدہ اور لذیذ کھانا محض کتاب پڑھ کر نہیں بنا سکتا جب تک وہ کسی ماہر سے تربیت حاصل نہ کرے وہ ماہر اس کو وہ کام عملی طور پر کر کے دکھاتا ہے اور یہ شخص اس کو دہراتے دہراتے آہستہ آہستہ اچھا کھانا بنانا سیکھ لیتا ہے۔

اس سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ انسانی فطرت کسی اہم بات کو سیکھنے کے لئے ہمیشہ ایک عملی مثال کی ضرورت مند ہوتی ہے اور دوسرے موضوعات کی طرح مذہبی تعلیم و تربیت کے لئے بھی یہ بات اتنی ہی صحیح ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابیں نازل کرنے پر اکتفا پسند نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ آسمانی کتاب کے ساتھ کوئی پیغمبر ضرور بھیجا گیا۔ ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ کسی پیغمبر کو بھیجا گیا لیکن اس کے ہمراہ نئی کتاب نہیں آئی لیکن ایسی ایک بھی آسمانی کتاب نہیں ہے جس کا نزول کسی پیغمبر کے بغیر ہوا ہو۔ کفار مکہ نے بھی کئی بار یہ مطالبہ کیا کہ کتاب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے کے بغیر ان پر براہ راست نازل کر دیا جائے لیکن یہ مطالبہ مسترد کر دیا گیا اور کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہی بھیجی گئی۔

اس کا سبب بالکل واضح ہے۔ انسانیت کو صرف ایک آسمانی کتاب کی ضرورت نہ تھی بلکہ اسے ایک معلم کی بھی ضرورت تھی جو کتاب کے مندرجات

کی تعلیم بھی دے سکے ۔ اسے ایک مربی کی بھی حاجت تھی جو انسانوں کو تربیت دے سکے اور جو ان کے لئے ایک ایسا عملی اسوۂ حسنہ قائم کر سکے جس کے بغیر وہ اپنی عملی زندگی میں کتاب سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے تھے ۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنی نوع انسان کی طرف اس واضح ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا کہ تمام انسان آپ کی " اطاعت " اور " اتباع " کے پابند ہیں اور انہیں وحی الٰہی کی تفصیلات اس عملی مثال سے سیکھنی چاہئیں جو آپ نے ان کے سامنے پیش کی ہے ۔ اس سے قبل پیش کی جانے والی آیت قرآن (۸۰ - ۴) میں یہ بات صاف طور پر بتا دی گئی ہے کہ " رسول کی اطاعت " حقیقتاً " اللہ ہی کی اطاعت " ہے اور موخرالذکر کو بجالانے کا عملی طریقہ یہی ہے کہ اول الذکر کا حق ادا کیا جائے اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغمبرانہ حیثیت میں جو کچھ بھی ارشاد فرماتے یا عمل فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے حاصل شدہ وحی پر مبنی ہوتا ہے چنانچہ آپ؂ کے ارشادات اور آپ؂ کے افعال ' دونوں ' خواہ وہ قرآن کریم میں بیان بھی نہ کئے گئے ہوں ' درحقیقت وحی الٰہی پر مبنی یا وحی الٰہی کے تصدیق شدہ ہیں ۔

باب نمبر 2

وحی کی دو اقسام

مندرجہ بالا تمام گفتگو سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی کی دو مختلف اقسام ہیں۔

وحی کی پہلی قسم - وحی متلو

یہ وحی کی وہ قسم ہے جو قرآن کریم کی صورت میں آنحضرت پر نازل کی گئی۔ اسلامی اصطلاح میں اسے الوحی المتلو (تلاوت کی جانے والی وحی۔ یعنی وہ وحی جو نمازوں میں تلاوت کی جا سکتی ہے) کہا جاتا ہے۔ یہ قسم صرف قرآن کریم کی آیات پر مشتمل ہے اور قرآن کریم میں لفظ بہ لفظ لکھی ہوئی ہے۔

وحی کی دوسری قسم - وحی غیر متلو

یہ وحی کی وہ قسم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر وقتاً فوقتاً روز مرہ پیش آنے والے واقعات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے تعین کے لیے نازل ہوتی تھی اس کے ذریعے قرآن کریم میں بیان کردہ اصولوں کی تفصیلات اور ان کی صحیح تشریح و تعبیر بھی سمجھائی جاتی تھی۔ وحی کی یہ قسم وحی غیر متلو (تلاوت نہ کی جانے والی وحی) کہلاتی ہے وحی کی یہ قسم لوگوں تک لفظ بہ لفظ نہیں پہنچائی گئی بلکہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشادات و افعال کے ذریعے ظاہر کیا گیا ہے۔

وحی کی دوسری قسم کا ثبوت قرآن کریم سے

اگرچہ وحی کی یہ قسم قرآن پاک میں شامل نہیں ہے لیکن قرآن کریم نہ صرف یہ کہ اکثر اس کا حوالہ دیتا ہے بلکہ اس کے مضامین کا انتساب بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف کرتا ہے۔ ذیل میں بعض آیات کے حوالوں سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ وحی الٰہی محض قرآن کریم تک ختم نہیں ہو جاتی بلکہ وحی کی ایک دوسری قسم بھی ہے جو کلام پاک کا جزو نہ ہونے کے باوجود وحی الٰہی ہے۔

۱۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے

وما جَعَلنا القِبْلة الّتي كُنْتَ عَلَيْها إلا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِع الرَّسولَ مِمَّن يَنقَلِبُ على عَقِبَيه

"اور جس قبلے پر تم تھے اس کو ہم نے اس لئے مقرر کیا تھا کہ معلوم کریں کون پیغمبر کے تابع رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔" (۱۴۳-۲)

اس آیت کو سمجھنے کے لئے اس کا پس منظر اور شان نزول سمجھنا ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ ہجرت کے بعد مدنی زندگی کے ابتدائی دنوں میں مسلمانوں کو حکم تھا کہ وہ اپنی نمازیں بیت المقدس کی جانب رخ کر کے ادا کریں۔ گویا بیت المقدس کو قبلہ متعین کر دیا گیا تھا سترہ ماہ تک مسلمان بیت المقدس کو بطور قبلہ اختیار کئے رہے سترہ ماہ کے بعد قرآن کریم نے سابقہ حکم منسوخ کر دیا اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ مسجد حرام کو اپنا قبلہ قرار دیں اور نمازوں میں اسی کی طرف رخ کریں۔ نئے **قبلے** کے تقرر کے لئے درج ذیل آیت نازل فرمائی گئی۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَام

"تو اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیرلو۔" (۱۴۴-۲)

اس نئے حکم پر بعض منافقین نے یہ اعتراض کیا تھا کہ اس سے پہلے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کرنے میں آخر کیا حکمت تھی۔ اسی اعتراض کے جواب میں درج بالا آیت (۱۴۳-۲) کا نزول ہوا جس میں یہ جواب دیا گیا تھا کہ بیت المقدس کو قبلہ مقرر کرنے سے لوگوں کو پرکھنا مقصود تھا کہ آیا وہ پیغمبر علیہ الصلواۃ والسلام کا اتباع کرتے ہیں یا نہیں۔ اب ذرا اس آیت کریمہ کو دوبارہ پڑھیں۔

"اور جس قبلے پر تم تھے اس کو ہم نے اس لئے مقرر کیا تھا کہ معلوم کریں کون پیغمبر کے تابع رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔"

یہاں سابقہ مقرر کردہ قبلے کے حکم کی خود اللہ تعالیٰ کی جانب نسبت کی گئی ہے جس سے واضح ہے کہ بیت المقدس کو خود اللہ تعالیٰ کے حکم سے قبلہ مقرر کیا گیا تھا۔ اب قرآن کریم کو شروع سے آخر تک پڑھ جائیے اس حکم کا قرآن کریم میں کہیں ذکر نہیں ملے گا نہ کوئی آیت ایسی ملے گی جس میں بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم موجود ہو۔ درحقیقت یہ حکم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کریم کی کسی آیت کے حوالے کے بغیر دیا تھا لیکن اس کے باوجود قرآن کریم میں اسے اللہ تعالیٰ کا حکم قرار دیا گیا ہے۔ اس آیت میں یہ الفاظ نہیں کہے گئے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبلہ اس لئے مقرر کیا تھا ...." بلکہ الفاظ یہ ہیں کہ "ہم نے قبلہ اس لئے مقرر کیا تھا ...."

یہ اتنا واضح ثبوت ہے کہ اس کی مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔
قرآن کریم کا یہ بیان ثابت کرتا ہے کہ سابقہ حکم جو رسالت ماب نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جانب سے دیا گیا تھا ایک ایسی وحی پر مبنی تھا جو کہ قرآن کا جزو نہیں تھی اور یہی "وحی غیر متلو" کا مطلب ہے۔

مذکورہ آیت (۱۴۳-۲) سے مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں۔

(ا) نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایسی وحی کا نزول بھی ہوتا تھا جو قرآن کریم میں شامل نہیں ہے۔

(ب) یہ وحی اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے ہوتی تھی حتیٰ کہ اس وحی پر مبنی احکام بھی خود اللہ تعالیٰ کے احکام شمار کئے جاتے تھے۔

(ج) یہ احکام مسلمانوں کے لئے اسی طرح واجب التعمیل ہوتے تھے جس طرح وحی کی پہلی قسم کے یعنی قرآنی احکامات ہیں۔

(د) بعض اوقات ان احکامات کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ مسلمانوں کو پرکھا جائے کہ آیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے احکامات کی پیروی کرتے ہیں یا نہیں، خواہ وہ قرآن کریم میں مذکور ہوں یا نہ ہوں۔

۲۔ اسلام کے ابتدائی زمانے میں رمضان کے روزوں کے بارے میں ایک حکم یہ تھا جس کی مسلمان پیروی کرتے تھے کہ اگر کوئی مسلمان رمضان المبارک میں روزہ افطار کر لینے کے بعد کچھ دیر بھی سو جاتا تو اس کے لئے اس رات میں اپنی بیوی سے ہم بستری ممنوع تھی، چنانچہ اگر کوئی افطار کے بعد خواہ تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی، سو کر دوبارہ اٹھ جاتا تو وہ باقی رات میں ہم بستری نہیں کر سکتا تھا حالانکہ وہ اس وقت روزے کی حالت میں نہیں ہوتا تھا۔ یہ حکم رسالت ماب نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جانب سے تھا اور قرآن کریم میں مذکور نہیں تھا لیکن ایک بار چند مسلمانوں کی طرف سے اس حکم کی خلاف ورزی ہو گئی اور

انہوں نے افطار کر کے سو جانے کے بعد اسی رات میں ہم بستری کر لی ۔ ان واقعات کا حوالہ دیتے ہوئے قرآن کریم میں پہلے ایسے لوگوں پر عتاب کا اظہار کیا گیا ہے اور پھر آئندہ کے لئے اس حکم کو منسوخ کرتے ہوئے مسلمانوں کے لئے آئندہ اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ افطار کے بعد رات میں کسی بھی وقت ہم بستری کی جا سکتی ہے خواہ کوئی شخص افطار کے بعد کچھ دیر سو بھی چکا ہو ۔
اس سیاق و سباق میں قرآن کریم کا ارشاد ہے !

أحِلَّ لَكُم لَيْلَةَ الصِّيامِ الرَّفَثُ إلى نِساءِكُم هُنَّ لِباسٌ لَكُم و أنْتُم لِباسٌ لَهُنَّ عَلِمَ اللّهُ أنَّكُم كُنْتُم تَخْتانونَ أنْفُسَكُم فَتابَ عَلَيكُم وعَفا عَنْكُم ، فالآنَ باشِرُوهُنَّ وابْتَغوا ما كَتَبَ اللهُ لَكُم حتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُم الخَيْطُ الأبْيَضُ مِنَ الخَيْطِ الأسْوَدِ مِنَ الفَجْرِ ، ثُمَّ أتِمُّوا الصِّيامَ إلى اللَّيْلِ (البقرة ، ۱۸۷)

" روزوں کی راتوں میں تمہارے لیے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کر دیا گیا ہے وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو خداکو معلوم ہے کہ تم اپنے حق میں خیانت کرتے تھے سو اس نے تم کو معاف کیا اور تمہاری حرکات سے درگزر فرمائی ۔ اب (تم کو اختیار ہے کہ) ان سے مباشرت کرو ۔ اور خدا نے جو چیز تمہارے لیے لکھ رکھی ہے اس کو (خدا سے) طلب کرو اور کھاؤ اور پیؤ یہاں تک صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے پھر روزہ رات تک پورا کرو ۔ " (۱۸۴-۲)

اس آیت کے سلسلے میں درج ذیل نکات قابل غور ہیں

الف :- یہ آیت اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ اس کے نزول سے قبل رمضان المبارک کی راتوں میں (مذکورہ شرائط کے ساتھ) ہم بستری ممنوع تھی۔

ب :- اس آیت کے نزول سے قبل جن افراد نے اس حکم کی خلاف ورزی کی ان کے فعل پر آیت میں ان الفاظ میں عتاب کیا گیا ہے کہ "تم اپنے حق میں خیانت کرتے تھے"

ج :- یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ ان افراد کا فعل مباشرت گناہ تھا کیونکہ "معافی" اور "درگزر" کا سوال اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی گناہ کا مرتکب ہوا ہو۔

د :- یہ الفاظ "اب تم کو اختیار ہے کہ ان سے مباشرت کرو" ظاہر کرتے ہیں کہ رمضان المبارک کی راتوں میں مذکورہ قیود کے بغیر مباشرت صرف اب سے جائز قرار دی گئی ہے۔

یہ سب نکات یہ بات واضح کرتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے قبل رمضان المبارک کی راتوں میں مذکورہ صورت میں مباشرت ممنوع تھی یہ ممانعت کسی واجب الاطاعت اتھارٹی کی طرف سے تھی اور تمام مسلمانوں پر اس حکم کی پابندی لازمی تھی۔

لیکن قرآن کریم میں ایسی کوئی آیت نہیں ہے جس میں اس پابندی کا حکم ہو درحقیت یہ پابندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عائد کردہ تھی۔ پھر بھی قرآن کریم نہ صرف اس کی تائید کرتا ہے بلکہ اسے اس طریقے پر بیان کرتا ہے کہ گویا یہ اس کی خود لگائی ہوئی پابندی تھی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم اپنی خواہش سے نہیں دیا تھا۔ بلکہ یہ اللہ

تعالیٰ کی جانب سے ایسی وحی پر مبنی تھا جو قرآن کریم میں مذکور نہیں ہے ۔

اس طرح دیکھا جائے تو یہ آیت ایک طرف یہ ثابت کرتی ہے کہ وحی کی ایک ایسی قسم بھی ہے جو قرآن کریم کا جزو نہیں ہے اور دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ایک شارع (قانون ساز) کا منصب عطا کرتی ہے اور یہ بات واضح کر دیتی ہے کہ آپ ؐ کی جانب سے کسی چیز کی اجازت یا ممانعت مسلمانوں کے لیے واجب التسلیم ہے ۔

(۳) جنگ احد کے موقع پر قرآن کریم کی چند آیات اس لیے نازل ہوئی تھیں کہ مسلمانوں کو جنگ بدر کی لڑائی کے وقت کے واقعات و حالات دوبارہ یاد دلائے جائیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی تھی اور فرشتوں کے ذریعے ان کی امداد کا وعدہ کیا تھا اور پھر یہ امداد نازل بھی کی گئی تھی ۔ یہ آیات حسب ذیل ہیں ۔

لَقَد نَصَرَكُمُ اللّهُ بِبَدْرٍ وَ أَنْتُم أذِلَّةٌ فاتَّقوا اللهَ لَعَلَّكُم تَشْكُرونَ إذْ تَقُولُ لِلمُؤمِنِينَ أ لَن يَكفِيَكُم أن يُمِدَّكُم رَبُّكُم بِثَلاثَةِ آلافٍ مِنَ الملائكةِ مُنْزَلين بلى إنْ تَصْبِروا و تَتَّقوا ويأتوكُم من فَورِهِم هذا يُمْدِدكُم رَبُّكُم بِخَمسَةِ آلافٍ من الملائكة مُسَوِّمينَ. وما جَعَلَهُ اللهُ إلا بُشرَى لَكم و لِتَطمَئِنَّ قُلوبُكُم بِهِ وما النَّصْرُ إلا من عِنْدِ اللهِ العَزيزِ الحَكيم.

(آل عمران ، ۱۲۳ – ۱۲۵)

" اور یہ بات محقق ہے کہ حق تعالیٰ نے تم کو بدر میں منصور فرمایا حالانکہ تم بے سرو سامان تھے سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم شکر گزار رہو ۔ جبکہ آپ مسلمانوں سے فرما رہے تھے کہ کیا تم کو یہ امر کافی نہ ہو گا کہ تمارا رب تمہاری امداد کرے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ جو اتارے جائیں گے ۔ ہاں کیوں نہیں اگر تم مستقل رہو گے اور متقی رہو گے اور وہ لوگ تم پر ایک دم سے آپہنچیں گے تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو ایک خاص وضع بنائے ہوئے ہوں گے اور **اللہ تعالیٰ نے یہ محض اس لئے کی کہ تمہارے لئے بشارت ہو** اور تاکہ تمہارے دلوں کو قرار ہو جاوے اور نصرت صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو کہ زبردست ہیں حکیم ہیں ۔ " (آل عمران ۱۲۳ : ۱۲۵)

اس ترجمہ میں نمایاں الفاظ پر غور فرمایئے ۔ یہاں فرشتوں کی غیبی امداد کی خوشخبری کا انتساب اللہ تعالیٰ کی جانب کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امداد کی خوشخبری خود اللہ تعالیٰ نے دی تھی ۔ لیکن بدر کے موقع پر دی جانے والی یہ خوشخبری قرآن کریم میں کسی بھی جگہ موجود نہیں ہے ۔ بالفاظ دیگر جنگ بدر کے موقع پر نازل ہونے والی ایسی ایک بھی آیت نہیں ملتی جس میں فرشتوں کی امداد کی خوشخبری دی گئی ہو ۔ مذکورہ بالا آیت (آل عمران ۱۲۳ ۔ ۱۲۵) میں محض یہ حوالہ ہے کہ ایسی ایک خوشخبری جنگ بدر کے موقع پر دی گئی تھی اور صراحتا اس بات کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کو یہ خوشخبری رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے

دی تھی - لیکن اس کے باوجود اس کا انتساب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف کیا گیا ہے -

چنانچہ یہ ایک اور مثال ہے جس میں آنحضرت ؐ کے ارشاد کو خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہی قرار دیا گیا ہے - اس بات کی سوائے اس کے کوئی وضاحت پیش نہیں کی جا سکتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اس خوشخبری کے بارے میں ایسی خصوصی نوعیت کی وحی نازل کی گئی جو قرآن کریم میں شامل نہیں ہے اور یہی " وحی غیر متلو " ہے -

(۴) ایک اور موقعے پر جنگ بدر کے حوالے سے قرآن کریم کا ارشاد ہے

و إذ يَعِدُكُم اللهُ إحْدَى الطَّائِفَتَينِ أَنَّها لَكُم

(الأنفال ، ٧)

" اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتے تھے کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی - "

(۷ - ۸)

اس آیت کریمہ میں دونوں جماعتوں میں سے ایک سے مراد وہ تجارتی قافلہ ہے جو شام کی جانب سے ابوسفیان کی سرکردگی میں آرہا تھا اور دوسری جماعت سے مراد کفار مکہ کا لشکر ہے جو ابوجہل کی سالاری میں روانہ ہوا تھا - اس آیت کریمہ میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں سے وعدہ تھا کہ وہ ان دونوں جماعتوں میں سے ایک پر فتح یاب ہوں گے - اس وعدے کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ مسلمانوں نے ابوجہل کے لشکر پر میدان بدر میں فتح حاصل کی -

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں سے یہ وعدہ کہ وہ ان دونوں میں سے کسی ایک جماعت پر غالب ہوں گے قرآن پاک میں کہیں مذکور نہیں ہے - مسلمانوں کو اس بات کی نوید خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

نے قرآن کریم کی کسی آیت کریمہ کے حوالے کے بغیر دی تھی - پھر بھی اوپر دی گئی آیت میں اس وعدے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بجائے اللہ تعالیٰ ہی سے منسوب کیا گیا ہے -

اس سے محض ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ یہ وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو " وحی غیر متلو " کے ذریعے معلوم ہوا - چنانچہ آپ ؐ نے صحابہ کرام ؓ کو اس وعدے سے مطلع فرمایا اور اسی وحی کی بنا پر اس وعدے کا انتساب خود اللہ تعالیٰ جل شانہ کی جانب کیا گیا ہے -

چنانچہ یہ آیت وحی کی ایک اور قسم کی موجودگی کا ایک اور ثبوت ہے اور یہ وحی کی وہ قسم ہے جس کے بارے میں ہم پڑھ آئے ہیں کہ یہ قرآن کریم میں شامل نہیں اور " وحی غیر متلو " کہلاتی ہے -

(۵) ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کو ایک راز کی بات بتلائی انہوں نے یہ راز کسی اور کے سامنے ظاہر کر دیا - جب آپ ؐ کو معلوم ہوا کہ راز ظاہر ہو چکا ہے تو آپ ؐ نے ان زوجہ مطہرہ سے وضاحت طلب فرمائی - انہوں نے آپ ؐ سے دریافت کیا کہ اس افشائے راز کی خبر آپ ؐ کو کس نے دی - آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مجھے مطلع کر دیا ہے -

یہ واقعہ قرآن کریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے

وإذ أَسَرَّ النبيُّ إلى بَعْضِ أَزْواجِهِ حَديثاً فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ و أَظْهَرَه الله عليه عَرَّفَ بعضَه وأعرضَ عن بَعْضٍ فلمَّا نَبَّأَها به قالَتْ مَنْ أَنبأَكَ هذا قالَ نَبَّأَني العَليمُ الخَبيرُ. (التحريم : ۳)

"اور جب کہ پیغمبر نے اپنی کسی بی بی سے ایک بات چپکے سے فرمائی پھر جب اس بی بی نے وہ بات بتلا دی اور پیغمبر کو **اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر کر دی** تو پیغمبر نے تھوڑی سی بات تو بتلا دی اور تھوڑی سی بات کو ٹال گئے۔ سو جب پیغمبر نے اس بی بی کو وہ بات بتلائی وہ کہنے لگی کہ آپؐ کو اس کی کس نے خبر کر دی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو بڑی جاننے والے خبر رکھنے والے (یعنی خدا) نے خبر کر دی۔" (۳-۶۶)

ترجمے کے نمایاں الفاظ اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس افشائے راز سے مطلع فرمایا تھا۔ لیکن یہ اطلاع بھی قرآن کریم میں کہیں نہیں ہے اور اس طرح اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن کریم کے سوا ایک اور قسم کی وحی کا نزول بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوتا تھا۔ اور یہی "وحی غیر متلو" ہے۔

(۶) مدینہ کے مشہور قبیلے بنو نضیر کے محاصرے کے دوران چند مسلمانوں نے محصورین کو ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کر دینے کے لیے قلعے کے آس پاس کے کھجور کے درخت کاٹ دیئے تھے۔ جنگ ختم ہو جانے کے بعد یہود نے اس بات پر اعتراض کیا۔ قرآن کریم میں اس اعتراض کا جواب اس طرح آیا ہے۔

مَا قَطَعْتُم مِن لِينَةٍ أَو تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللهِ. (الحشر : ۵)

"جو کھجوروں کے درخت کے تنے تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو خدا ہی کے حکم کے

موافق ہیں۔" (۵-۵۹)

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے یہ درخت اللہ تعالیٰ کی اجازت سے کاٹے تھے۔ لیکن کوئی بھی شخص قرآن کریم کی کوئی آیت کریمہ نہیں بتلا سکتا جس میں اس جنگ کے دوران درخت کاٹنے کی اجازت موجود ہو سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس اجازت کا کس طرح علم ہوا؟۔
اس کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو دی تھی اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس اجازت کا علم "وحی غیر متلو" کے ذریعے ہوا تھا۔

(۷) یہ بات معروف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا بیٹا قرار دیا تھا۔ سیدنا زیدؓ کا نکاح حضرت زینب بنت جحش سے ہوا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد ان کے باہمی تعلقات خوشگوار نہ رہے اور بالآخر طلاق پر منتج ہوئے۔ زمانہ جاہلیت میں منہ بولا بیٹا ہر قسم کے معاملات میں سگے بیٹے ہی کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ جب کہ اس کے برعکس قرآن کریم نے صاف الفاظ میں بتلایا کہ کوئی متبنی ہر معاملے میں سگے بیٹے کی طرح نہیں ہو سکتا۔

منہ بولے بیٹے کے بارے میں جاہلیت کے اس مفروضے کو ذہنوں سے ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ آپؐ حضرت زینبؓ بنت جحش کو سیدنا زیدؓ سے طلاق حاصل ہونے کے بعد اپنے نکاح میں لے آئیں۔ چونکہ اس زمانے کے رواج کے مطابق اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا نہایت معیوب سمجھا جاتا تھا اس لیے آنحضرتؐ ابتدا میں اس بارے میں متذبذب تھے۔ لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

اللہ تعالیٰ کی جانب سے واضح حکم ہو گیا تو آپ ؑ نے حضرت زینب ؓ سے نکاح فرما لیا۔

اس واقعہ کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح آیا ہے

و إذ تَقُولُ لِلَّذي أَنعَمَ اللهُ عليه و أَنعَمْتَ عليه أَمْسِكْ عليكَ زَوجَكَ واتَّقِ اللهَ ، وتُخْفي في نَفْسِكَ ما اللهُ مُبْديهِ و تَخْشَى الناسَ واللهُ أَحَقُّ أن تخْشاه فلَمّا قَضَى زَيدٌ منها وطَراً زوَّجْناكَها لِكَيلا يَكونَ على المؤمنينَ حَرَجٌ في أَزْواجِ أَدْعِيائِهِم إذا قَضَوا مِنهنَّ وطَرا وكانَ أمرُ اللهِ مَفْعولا .

(الأحزاب ، ٣٧)

" اور جب آپ اس شخص سے فرما رہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا کہ اپنی بی بی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور خدا سے ڈر۔ اور آپ اپنے دل میں وہ چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا ۔ اور آپ لوگوں سے اندیشہ کرتے تھے اور ڈرنا تو آپ کو خدا ہی سے زیادہ سزاوار ہے پھر جب زید کا ان سے جی بھر گیا ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں پر اس کے منہ بولے بیٹوں کی بیبیوں کے بارے میں کچھ تنگی نہ رہے جب وہ ان سے اپنا جی بھر چکیں اور خدا کا یہ حکم تو ہونے والا ہی تھا۔ " (۳۷-۳۳)

اس آیت کریمہ کے الفاظ اس حقیقت کا اظہار ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلع فرما دیا تھا کہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کے بعد حضرت زینبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آجائیں گی لیکن حیا اور شرم کے باعث آپؐ نے یہ بات ظاہر نہ فرمائی اور جب حضرت زیدؓ نے اس بارے میں آپؐ سے مشورہ لیا تو آپؐ نے تعلق نباہنے اور طلاق نہ دینے کی ہی رائے دی۔

یہاں ایک بات تو یہ ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سارے معاملے کی اطلاع آپؐ کو پہلے ہی دی جا چکی تھی لیکن یہ اطلاع قرآن کریم میں کہیں بھی مذکور نہیں ہے لہٰذا لازماً یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی غیر متلو کے ذریعے دی گئی تھی۔

دوسرے یہ کہ اسی سیاق و سباق میں آیت کریمہ کا دوسرا حصہ زیادہ غور طلب ہے۔ الفاظ یہ ہیں کہ " ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا " یہاں اللہ تعالیٰ کا ارشاد واضح ہے کہ حضرت زینبؓ سے آنحضرتؐ کا نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہی ہوا تھا۔ یہ حکم قرآن کریم میں کہیں موجود نہیں ہے لیکن اس کے باوجود قرآن کریم اس کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ ایک اور مثال ہے جس میں " وحی غیر متلو " کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم بھیجا گیا ہے۔

(۸) قرآن کریم میں جابجا مسلمانوں کو نماز پڑھنے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ آگے پیش کی جانے والی آیت میں بھی یہی حکم دہرانے کے بعد مسلمانوں کے لیے ایسی حالت میں خصوصی رعایت دی گئی ہے جبکہ وہ حالت جنگ میں ہوں اور دشمن کی طرف سے حملے کا خطرہ ہو۔ ایسی صورت میں گھوڑوں اور اونٹوں پر سواری کے دوران یا چلتے پھرتے ہوئے بھی نماز ادا کی جا

سکتی ہے اور مسلمان ان حالتوں میں بھی یہ فریضہ انجام دے سکتے ہیں ۔ لیکن جب حملے کا خطرہ ٹل جائے تو نماز اپنی اصل صورت اور عام ہیئت میں ادا کرنے کا حکم ہے ۔ درج ذیل آیت کریمہ میں یہ اصول بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ :

حافِظوا على الصَّلوات والصلاةِ الوُسطَى و قوموا لله قانتِينَ . فإن خِفتُم فرِجالا أو رُكباناً فإذا أمِنتُم فاذكُروا الله كما علَّمكُم .

(البقرة ، ٢٣٩ ، ٢٤٠)

" موافقت کرو سب نمازوں کی اور درمیان والی نماز کی ۔ اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے ۔ پھر اگر تم کو اندیشہ ہو تو کھڑے کھڑے اور سواری پر چڑھے چڑھے پڑھ لیا کرو پھر جب تم کو اطمینان ہو جائے تو تم خدا تعالیٰ کی یاد اس طریق سے کرو جو اس نے تم کو سکھلایا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے ۔ " (۲:۲۳۶-۲۴۰)

اس آیت کریمہ کے سلسلے میں کئی نکات قابل ذکر ہیں ۔ پہلی بات تو یہ کہ اس آیت کریمہ میں بین السطور یہ بات موجود ہے کہ مسلمانوں پر ایک سے زائد نمازیں فرض ہیں ۔ لیکن نہ اس آیت کریمہ میں اور نہ ہی قرآن مجید کی کسی

دوسری آیت کریمہ میں نمازوں کی کل تعداد بتلائی گئی ہے ۔ یہ بات کہ فرض نمازوں کی تعداد پانچ ہے ، مسلمانوں کو صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے معلوم ہوئی ہے چنانچہ قرآن کریم میں یہ کہہ کر کہ " تمام نمازوں کی حفاظت کرو " آنحضرتؐ کے ذریعے مسلمانوں کو معلوم ہونے والی بات کی توثیق کی گئی ہے

دوسرے یہ کہ اس آیت میں " درمیان والی نماز " (الصلواۃ الوسطیٰ) کو خاص طور سے اہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ۔ لیکن اس کی کوئی تعریف یا توضیح نہیں کی گئی بلکہ اس کی تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر چھوڑ دی گئی ہے ۔

تیسری ، اور ہمارے زیر بحث موضوع کے اعتبار سے سب سے اہم بات یہ ہے کہ ارشاد فرمایا گیا ہے ۔

" پھر جب تم کو اطمینان ہو جائے تو تم خدائے تعالیٰ کی یاد اس طریق سے کرو جو اس نے تم کو سکھلایا ہے ۔ "

یہاں یہ بات تشریح طلب نہیں کہ " اللہ کا ذکر ادا کرنے " سے مراد نماز کی ادائیگی ہے ۔ اس لیے کہ سیاق و سباق کے لحاظ سے یہاں کسی اور معنیٰ کی گنجائش ہی نہیں ہے ۔ ذرا غور کیجئے کہ قرآن کریم یہاں مسلمانوں کو حالت امن میں اس طریقے سے نماز کی ادائیگی کی ہدایت دے رہا ہے ۔ جس طریقے سے " اللہ تعالیٰ نے سکھلایا ہے " ۔ یہاں واضح طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ طریقہ نماز خود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سکھایا ہے ۔ حالانکہ قرآن کریم میں کسی بھی جگہ اس طریقے کا کوئی ذکر نہیں ہے اور کسی بھی آیت کریمہ میں اس طریقے کی تفصیل نہیں ملتی جو ادائیگی نماز کے لیے مطلوب ہے ۔ یہ بات کہ نماز کو کس طریقے سے ادا کیا جانا چاہیئے مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی سے معلوم ہوا ہے لیکن پھر بھی قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے تعلیم کردہ طریقے کو اللہ تعالیٰ کا تعلیم کردہ طریقہ ٹھہرایا گیا ہے ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کی ادائیگی کا طریقہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ایسی وحی کے ذریعے سکھلایا جو قرآن مجید میں شامل نہیں

تھی اور پھر آپؐ نے یہ طریقہ مسلمانوں کو سکھلا دیا۔ اس طرح طریقہ نماز کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے دے دی۔ بہرحال یہ تعلیم جو وحی غیر متلو کے ذریعے دی گئی تھی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے طور پر ہی ذکر کی گئی ہے۔

(۹) حدیبیہ کی مہم کے موقع پر کئی منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ قصداً شریک سفر نہیں ہوئے تھے۔ واپسی کے بعد جب مسلمانوں نے غزوہ خیبر کے لیے تیاریاں شروع کیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ صرف وہی اصحابؓ آپؐ کے ساتھ اس مہم میں شریک ہو سکیں گے جو حدیبیہ میں بھی شریک تھے۔ اگرچہ منافقین حدیبیہ میں شریک نہیں تھے لیکن اب اس توقع پر کہ خیبر پر فوج کشی میں مسلمانوں کو بڑی تعداد میں مال غنیمت حاصل ہو گا، وہ بھی حصہ دار بننے کے لیے غزوہ خیبر میں شرکت کے متمنی تھے لیکن ان کی بار بار درخواستوں کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں شرکت کی اجازت نہیں دی۔

یہ واقعہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت کریمہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

سَیقولُ المخَلَّفونَ إذا انطلَقْتم إلی مَغانِمَ لِتأخُذوها ذرونا نَتَّبِعْکم یریدونَ أن یُبَدِّلوا کلامَ اللہ قُلْ لن تَتَّبعونا کذلکم قالَ اللہُ مِن قَبلُ ۔ (الفتح ۱۵)

"جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب جب تم غنیمتیں لینے چلو گے کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلیں وہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ خدا کے حکم کو بدل ڈالیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ

نہیں چل سکتے ۔ خدا تعالیٰ نے پہلے سے یوں ہی فرما دیا ہے ۔" (۱۵-۴۸)

ترجمے کے نمایاں الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ قبل ازیں اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا واضح حکم آچکا تھا ۔ جس میں منافقین کو غزوہ خیبر میں شرکت کی ممانعت اور صرف شرکاء حدیبیہ کو شرکت کی اجازت دی گئی تھی ۔ لیکن یہ الفاظ اور یہ حکم قرآن کریم میں کسی بھی جگہ نہیں ملتے ۔ یہ ایک پیغمبری حکم تھا لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اسے خود اپنے حکم کے طور پر ذکر کیا ہے ۔ وجہ واضح اور بالکل صاف ہے ۔ پیغمبری حکم اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہی مبنی تھا اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم پیغمبر علیہ الصلواۃ والسلام پر ایسی وحی کے ذریعے نازل کیا گیا تھا ۔ جو قرآن میں شامل نہیں تھی ۔ لیکن اس کے باوجود یہ وحی تھی ۔ اتنی ہی واضح اور یقینی جتنی اللہ تعالیٰ کی کوئی وحی ہو سکتی ہے ۔

(۱۰) بعثت کے بعد ابتدائی دنوں میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآنی آیات کا نزول ہوتا تھا تو آپ ان کو بعد میں بھول جانے کے ڈر سے فوراً دہراتے رہتے ۔ یہ آنحضرت کے لیے ایک پرمشقت اور مشکل عمل تھا ۔ خصوصاً اس لیے کہ ایک ہی وقت میں وحی کو سننا ، اس کو صحیح طور پر سمجھ لینا اور صحیح طریقے سے زبانی یاد کر لینا آپ کے لیے باعث تعب ہوتا تھا ۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات نازل فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سے اس مشقت کا بوجھ ختم کر دیا ۔

لا تُحَرِّكْ به لسانَكَ لتَعْجَلَ به إنَّ علينا جَمْعَه
وقرآنه فإذا قَرأناه فاتَّبع قرآنه ثمَّ إنَّ علينا بيانه .

" اے پیغمبر آپ قرآن پاک پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ

آپ، اس کو جلدی جلدی لیں ۔ ہمارے ذمہ سے اس کا جمع کر
دینا اس کا پڑھوا دینا ۔ تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں (یعنی
ہمارا فرشتہ پڑھنے لگا کرے) تو آپ اس کا تابع ہو جایا کیجئے ۔
پھر اس کا بیان کرا دینا ہمارا ذمہ ہے ۔" (۱۶ - ۷۵)

اس آیت کریمہ کے آخری حصے میں اللہ تعالٰی نے قرآن کریم کی توضیح و تشریح اپنے ذمے لیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے وعدہ فرمایا ہے کہ آپؐ سے قرآن کریم کی تشریح بیان کی جائے گی ۔ یہاں یہ بات بالکل واضح ہے، کہ یہ توضیح و تشریح قرآن کریم سے "جداگانہ کوئی چیز" ہے ۔ یہ قرآن کریم نہیں ہے بلکہ اس کا درجہ اس کی تفسیر اور تشریح کا ہے ۔ لہٰذا ضروری ہے کہ یہ قرآن کریم سے کوئی جداگانہ شکل اور اس کے الفاظ سے علیحدہ کسی امتیازی خصوصیت کی حامل ہو اور یہ بالکل وہی بات ہے جس کا ذکر ہم " وحی غیر متلو " کے بیان میں پہلے کر آئے ہیں ۔

مختصر یہ کہ وحی کی یہ دونوں اقسام اگرچہ اپنی صورتوں میں مختلف ہیں لیکن دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل ہوئیں، دونوں اللہ تعالٰی جل شانہ کی جانب سے تھیں اور دونوں کو ماننا اور ان پر عمل کرنا مسلمانوں کے لیے لازمی ہے ۔

(۱۱) قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ۔

و أنزلَ اللهُ عليكَ الكتابَ والحكمةَ وعَلَّمَكَ ما
لم تكن تعلم وكانَ فَضْلُ اللهِ عليكَ عظيماً
(النساء ، ۱۱۳)

"اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور علم کی باتیں نازل فرمائیں اور آپ کو وہ باتیں بتلائیں ہیں جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔" (۴-۱۱۳)

اس آیت میں "نزول حکمت" کو "نزول کتاب" سے الگ، مستقل اور جداگانہ طور پر ذکر کیا گیا ہے جس میں اشارہ ہے کہ جس حکمت کا یہاں ذکر ہے وہ "کتاب سے اضافی" کوئی چیز ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کا بھی نزول ہوا ہے۔ اس کے بعد قرآن کریم آگے بیان کرتا ہے کہ:

"اور آپ کو وہ باتیں بتلائی ہیں جو آپ نہ جانتے تھے" جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر صرف "کتاب" ہی نہیں بلکہ "حکمت" بھی نازل فرمائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ کچھ تعلیم فرمایا جو آپ اس سے قبل نہیں جانتے تھے۔ یہ تعلیم قرآن کریم کے ذریعے یا وحی غیر متلو کے واسطے سے دی جانے والی تمام ہدایات کو محیط ہے اور اسی تعلیم کی روشنی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحیثیت پیغمبر اپنے فرائض سرانجام دیئے۔

(۱۲) وحی کی مختلف اقسام خلاصہ ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

ما كان لبشرٍ أن يُكلّمه الله إلا وحيا أو من وراء حجابٍ أو يُرسلَ رسولا فيوحي بإذنه ما يشاءُ
(الشورى ۵۱)

"اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرماوے مگر یا تو الہام سے یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتہ کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے۔" (۴۲-۵۱)

وحی کے ان تینوں طریقوں میں سے قرآن کریم کی وحی کا نزول تیسرے طریقے کے مطابق ہوا ہے یعنی ایک فرشتے کے ذریعے جس کو قرآن مجید نے " رسول " (پیغامبر) کا نام دیا ہے اور اسی کا ذکر دیگر آیات کریمہ میں بھی کیا گیا ہے

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوّاً لجبريل فإنَّه نَزَّله على قَلْبِكَ بإذنِ الله (البقرة : ٩٧)

" آپ یہ کہئے کہ جو شخص جبرائیل سے عداوت رکھے سو انہوں نے یہ قرآن آپ کے قلب تک پہنچا دیا ہے خداوندی حکم سے ۔" (۹۷-۲)

وإنّه لَتَنْزِيلُ رَبِّ العلَمينَ نزل به الرُوحُ الأمينُ على قلبكَ لتكونَ من المُنذرين بلسانٍ عَربيٍّ مُبينٍ (الشعراء : ١٩٢- ١٩٥)

" اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے ۔ آپ کے قلب پر صاف عربی زبان میں تاکہ آپ منجملہ ڈرانے والوں کے ہوں ۔" (۱۹۵ ' ۱۹۲ - ۲۶)

یہ آیات اس بات کی کافی وضاحت کر دیتی ہیں کہ قرآن کریم کی وحی کا نزول ایک فرشتے کے ذریعے ہوا ہے جس کو پہلی آیت میں " جبرائیل " اور دوسری میں " الروح الامین " کا نام دیا گیا ہے ۔ لیکن پہلے پیش کی گئی آیت (۵۱ : ۴۲) میں بتلایا گیا ہے کہ نزول وحی کے دیگر دو طریقے بھی ہیں ۔ یہ دونوں ذریعے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول وحی کے لیے اختیار کئے گئے ہیں ۔ جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ آنحضرت پر صرف قرآن کریم ہی کی وحی نازل نہیں

ہوئی بلکہ اس کے علاوہ دوسری قسم کی وحی کا بھی نزول ہوا ہے۔ دوسری قسم کی یہی وحی "وحی غیر متلو" کہلاتی ہے۔

یہ سولہ آیات ہیں جو نہ صرف وحی غیر متلو کے وجود کو ثابت کرتی ہیں بلکہ ان سے اس کے قابل اعتماد، مستند اور واجب **التسلیم** ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ یہاں قرآن کریم میں موجود ایسے تمام شواہد جمع کرنا مقصود نہیں ہے جن میں وحی کی اس قسم کا ثبوت ہو بلکہ یہاں صرف چند مثالیں ذکر کرنا مقصد تھا اور امید ہے کہ یہ مقصد احسن طریقے پر پورا ہو چکا ہے لیکن آگے بڑھنے سے پیشتر اس پوری بحث کے اہم نکات اور قرآن کریم کی روشنی میں اس کا خلاصہ سمجھ لینا مفید ہو گا۔

(۱) دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فریضہ نبوت بھی صرف آسمانی کتاب پہنچا دینا نہیں ہے بلکہ کتاب کی تعلیم دینا، حکمت سکھلانا اور لوگوں کی عملی تربیت کر کے ان کو پاک و صاف کرنا (تزکیہ کرنا) بھی آپ کے فرائض میں شامل ہیں۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی مانند لازمی اور ضروری ہے کیونکہ قرآن میں موخرالذکر کا بیان ہمیشہ اول الذکر کے ساتھ ساتھ آیا ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا مطلب درحقیقت عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے کیونکہ مؤخر الذکر کی بجا آوری اول الذکر کی تعمیل کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

(۴) مسلمانوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف اطاعت ہی ضروری نہیں ہے بلکہ ان پر آپ کا اتباع بھی لازمی ہے۔

(۵) پیغمبرانہ حیثیت میں آنحضرتؐ کا قول و فعل ہمیشہ اولاً کسی وحی پر مبنی اور یا پھر بالاخر کسی وحی کے ذریعے تصدیق شدہ ہے۔

(٦) بعض اوقات یہ وحیٔ قرآن کریم میں مذکور ہوتی ہے اور وحی متلو کہلاتی ہے جب کہ بسا اوقات یہ قرآن کریم سے اضافی صورت میں نازل ہوتی ہے اور اسے وحی غیر متلو کہتے ہیں۔

پیغمبر کی اطاعت اور حاکم کی اطاعت میں فرق

اوپر کی بحث میں اخذ شدہ نتائج جو کہ خالصتاً قرآن کریم کی آیات کریمہ پر مبنی ہیں۔ ایک اور شبہے کا بھی قلع قمع کر دیتے ہیں۔ یہ شبہہ حجیت حدیث کے منکر حلقوں کی جانب سے اکثر بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے۔ ان حلقوں کی طرف سے اکثر یہ بات کہی جاتی ہے کہ قرآن کریم جہاں کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیتا ہے تو دراصل اس کی مراد آپؐ کی اطاعت بحیثیت حاکم یا سربراہ وقت ہوتی ہے اور اطاعت بحیثیت پیغمبر مراد نہیں ہوتی۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں پر سردار اور حاکم تھے اس لیے مسلمانوں کو آپؐ کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا گیا لیکن پھر جب آپؐ کا وصال ہو گیا تو آپؐ کی ذاتی اطاعت لازمی نہ رہی بلکہ اب جو کوئی بھی سربراہ اور حاکم بنے گا وہ اسی اطاعت کا حق دار ہو گا اور مسلمانوں پر اس کی پیروی لازمی ہوگی۔

یہ مغالطہ، دراصل اس غلط فہمی پر مبنی ہے کہ مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت بحیثیت پیغمبر کا حکم نہیں ہے بلکہ سربراہ اور حاکم ہونے کی حیثیت سے آپؐ کی اطاعت ضروری ہے۔

لیکن جو آیات کریمہ اوپر پیش کی گئی ہیں وہ اس غلط فہمی کے لئے کوئی

گنجائش باقی نہیں رہنے دیتیں ۔ اس کی وجوہات درج ذیل ہیں ۔

۱۔ جب کبھی اور جہاں کہیں بھی قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا ہے وہاں ہمیشہ " رسول کی اطاعت " کے الفاظ اختیار کئے گئے ہیں اور کسی بھی جگہ " سربراہ کی اطاعت " یا " بحیثیت ایک فرد کے محمدؐ " کی اطاعت کا ذکر نہیں ہے یہ اسلوب واضح طور پر اس کی نشان دہی کرتا ہے کہ آنحضرتؐ کی اطاعت بحیثیت پیغمبر ہی لازمی ہے ۔

اگر میں کسی شخص سے یہ کہوں کہ " اپنے والد کا حکم بجا لاؤ " تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا باپ ہونا ہی اس کے حکم بجا لانے کی بنیادی وجہ ہے ۔ اگر میں کسی کو نصیحت کروں کہ " اپنے استاد کے فرمانبردار بنو " تو ظاہر ہے کہ اس کا یہی مطلب ہو گا کہ استاد ہونا ہی اس کی فرماں برداری کئے جانے کا بنیادی سبب ہے ۔ عقل اور سمجھ رکھنے والا کوئی بھی شخص ان جملوں کو اس کے برعکس معنی نہیں پہنائے گا ۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ارشاد فرما دیا کہ " رسول کی اطاعت " کرو تو بقائمی ہوش و حواس یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ " رسالت " اس اطاعت کی بنیاد نہیں ہے ۔

۲ ۔ کم از کم ایک موقعے پر قرآن مجید نے غلط معنی نکالنے کے اس بعید ترین امکان کو بھی ختم کر دیا ہے ۔ ارشاد فرمایا گیا ہے ۔

يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا
الرسول وأولي الأمر منكم

(النساء ۵۹ : ۴)

" اے ایمان والو ! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی ۔ " (۵۹ - ۴)

یہاں " رسول کی اطاعت " سربراہوں اور حکام کی اطاعت سے علیحدہ اور ممتاز کرکے بیان کی گئی ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ پیغمبر اور حاکم دونوں مناصب کا اطاعت ان کی مختلف حیثیات میں بجا لانا ضروری ہے۔

یہاں یہ بات اہم اور قابل توجہ ہے کہ جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا تعلق ہے آپ کی ذات اقدس میں یہ دونوں مناصب اور حیثیات جمع تھیں۔ آپ نہ صرف ایک پیغمبر تھے بلکہ مسلمانوں کے سربراہ اور حاکم بھی تھے۔ چنانچہ اگر " آنحضرتؐ کی اطاعت " کو صرف آپؐ کی حیات طیبہ تک محدود کرنا ہی قرآن کریم کا مقصود ہوتا تو باسانی کہا جا سکتا تھا کہ " محمد کی اطاعت کرو " لیکن قرآن کریم نے ان الفاظ سے احتراز کرکے واضح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دو حیثیات و مناصب جدا جدا بیان کر دی ہیں اور ان دونوں کو امتیازی طور پر علیحدہ علیحدہ ذکر کرکے اس غلط فہمی کے بعید ترین امکان کو بھی ختم کر دیا ہے۔ چنانچہ اس طرح ان دونوں حیثیات کو آپس میں خلط ملط کرنے کی گنجائش باقی نہیں چھوڑی۔

اس کے علاوہ اسی آیت میں ایک اور لطیف نکتہ بھی قابل توجہ ہے یہاں لفظ " رسول " کے لئے صیغہ واحد استعمال کیا گیا ہے جبکہ " تمہارے حاکموں " کے الفاظ صیغہ جمع میں ذکر کئے گئے ہیں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آخری رسول ہیں جن کے بعد کوئی نیا پیغمبر نہیں آئے گا لہذا آپؐ کی اطاعت بحیثیت پیغمبر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے صرف آپ ہی کے لئے مخصوص و محدود رہے گی اور مستقبل میں کوئی شخص اس اطاعت میں آپؐ کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا اس کے برعکس دوسری طرف سربراہوں اور حاکموں کی ایک بڑی تعداد ہو گی جو ایک کے بعد ایک دوسرے کی جگہ لیں گے۔

اس قسم کی اطاعت صرف نزول وحی کے وقت کے حاکم تک مخصوص نہ رہے گی بلکہ اس کا دائرہ اثر بعد میں آنے والے تمام حاکموں تک پھیلتا جائے گا۔

3۔ یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی بنیاد وحی غیر متلو پر تھی جو کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنحضرتؐ پر نازل ہوتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اسے اللہ کی اطاعت کے برابر ہی ٹھہرایا ہے اس کے برعکس کوئی سربراہ ریاست یا حاکم وقت اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس پر کسی قسم کی وحی کا نزول ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کوئی حاکم وقت اپنے انتظامی اختیار کو تو اپنی صوابدید پر اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکتا ہے لیکن وہ شریعت کے احکام کو منسوخ نہیں کر سکتا۔ اس کے احکام محض انتظامی نوعیت کے ہوسکتے ہیں جو اس کے ماتحت باشندوں پر مطلقاً اسی حیثیت میں واجب التعمیل بھی ہیں۔ نہ تو وہ حاکم کتاب اور سنت کے کسی فیصلے کے خلاف حکم دے سکتا ہے اور نہ اس کے احکامات مستقبل کے تمام زمانوں پر لاگو ہو سکتے ہیں جیسا کہ احکام شریعت کی خصوصیت ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ حاکم وقت کے احکامات وحی الٰہی پر مبنی نہیں ہوتے اور وہ محض اسی مخصوص دائرہ عمل میں موثر بھی ہو سکتے ہیں جہاں شریعت نے کوئی واضح حکم نہیں دیا اور فیصلے کا اختیار حاکم وقت کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ دیگر حاکموں سے بالکل مختلف ہے بحیثیت پیغمبر آپؐ پر وحی متلو اور وحی غیر متلو کی دونوں اقسام کا نزول ہوتا تھا لہٰذا آپؐ کے پیغمبرانہ احکامات محض انتظامی نوعیت کے نہیں ہیں جو محض آپؐ کے ذاتی ادراک پر مبنی ہوں۔ بلکہ وہ وحی پر مبنی ہوتے یا پھر اس سے تصدیق شدہ ہوتے تھے۔ مناسب ہو گا کہ یہاں ان دونوں صورتوں کی وضاحت کر دی جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کے وحی پر مبنی ہونے کے معنی بعض اوقات تو یہ ہوتے ہیں کہ وحی متلو یا غیر متلو ان احکام کا اصل ماخذ ہے اگر یہ وحی نہ ہوتی تو آپ یہ احکامات جاری نہ فرماتے ان احکامات کے آسمانی ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا چنانچہ یہ احکامات شریعت کا ایک جزو ہوتے ہیں

لیکن بعض دوسرے معاملات ایسے ہیں جن میں احکام کا اصل ماخذ وحی نہیں ہے بلکہ حالات و واقعات کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تجزیہ اور آپ کی رائے ان کی بنیاد ہے لیکن بعدازاں وحی الٰہی نے ان کی توثیق بھی کر دی۔ یہ توثیق بھی دو قسم کی ہے۔ بعض اوقات یہ صریح الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ فیصلے کو برقرار رکھتی ہے اور بعض اوقات مفہومی طور سے توثیق پر دلالت ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی خاص فیصلے یا رائے پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا تو اس کا لازمی مفہوم یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس بات کی توثیق کر دی گئی ہے۔

اس کا سبب بالکل واضح ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجا جانے والا پیغمبر جو رضائے الٰہی کا ترجمان بھی ہے ہمیشہ خدائی نگرانی میں رہتا ہے۔ پیغمبر کی جانب سے ادا کیا جانے والا کوئی فعل یا اس کا کوئی قول اگر رضائے الٰہی سے کلی طور پر مطابقت نہ رکھتا ہو تو اسے ہمیشہ اس بارے میں متنبہ کر دیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ایسی کئی آیات موجود ہیں جن میں کئی ایسے معاملات پر اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیئے تھے یا آپ کا ان کو انجام دینے کا ارادہ تھا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی بھی عمل ایسا نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے جانچا نہ جا چکا ہو۔

اس پس منظر میں اگر آپؐ کی جانب سے کوئی کام انجام دیا جاتا ہے یا کوئی حکم صادر ہوتا ہے اور اس کی نامنظوری کے لئے کوئی وحی نازل نہیں ہوتی تو اس کا لازمی مفہوم یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کام یا حکم کو رضامندی حاصل ہے کیونکہ اگر واقعہ اس کے خلاف ہوتا تو وحی اس بارے میں سکوت اختیار نہ کرتی بلکہ لازماً غلطی کی تصحیح کے لئے وحی کا نزول ہوتا جیسا کہ کئی واقعات کے بارے میں نامنظوری سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلع فرما دیا گیا۔

پس پیغمبرانہ حیثیت میں آپؐ نے جو کچھ فرمایا ' اور جو کچھ انجام دیا ' اور اس کے خلاف کوئی وحی نازل نہیں ہوئی ' مفہوم اور نتیجے کے اعتبار سے توثیق شدہ اور مستند ہے۔

لہٰذا اس کی روشنی میں یہ بات بالکل درست ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام احکامات اور تمام افعال براہ راست یا بالواسطہ طور پر وحی پر مبنی ہیں۔

یہ منصب آپؐ کے بعد کسی سربراہ کو حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ وحی کا نزول آپؐ پر ختم ہو چکا اور یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے پیغمبر کی اطاعت کو حکام کی اطاعت سے جدا اور ممتاز طور پر بیان کیا ہے۔

یہ وہ تین بڑی وجوہات ہیں جن کی موجودگی میں اس غلط فہمی کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ قرآن حکیم نے "رسول کی اطاعت" کی جو بار بار تاکید کی ہے اور اسے جس اہمیت کے ساتھ ذکر کیا ہے اس سے دراصل مراد سربراہ اور حکام وقت (اولی الامر) کی اطاعت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اس کے علاوہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ آپؐ کو اللہ

تعالیٰ کی جانب سے رسول بنا کر بھیجا گیا تھا اور آپؐ اللہ کی رضا مندی کے ترجمان تھے چنانچہ "سنت" جو تمام تر آپؐ کے ارشادات اور افعال کے ذخیرے کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے ' اللہ اور کتاب اللہ پر ایمان رکھنے والے تمام مسلمانوں کے لئے واجب التعمیل اور حجت ثابت ہوتی ہے۔

باب نمبر 3

حجیت رسالت اور اس کا وسیع دائرہ اختیار

پچھلے باب میں جو قرآنی آیات درج کی گئی ہیں اور ان کے ذیل میں جو منطقی اور حقیقی نتائج اخذ کئے گئے ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت اور اس کے اختیارات کے ثبوت کے لئے بہت کافی ہیں اور انہی سے اس کا اسلامی قانون کے لئے بنیادی ماخذ ہونا ثابت ہو جاتا ہے ۔ لیکن قرآن کریم نے صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو ایک عمومی اصول و قانون کے طور پر ذکر کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ سنت کی حاکمیت کے دائرہ ہائے اختیار بھی ذکر کئے ہیں اور اس کی وسعت کی بہت سی جہتیں بھی روشن کی ہیں تاکہ اس کی وسیع حدود میں یہ اطاعت و فرمانبرداری جہاں جہاں مطلوب ہے اس کی تعیین کی جا سکے اور ایسے حلقے اور دائرہ ہائے اختیار بتا دیئے جائیں جن میں سنت اور اس کے اختیارات کا اطلاق ہوتا ہے ۔

چنانچہ ہمارے خیال میں اس باب میں ان مختلف حلقوں اور متعدد مظاہر میں سے ہر ایک پر فرداً فرداً بحث مفید ہو گی اور ہم ان میں سے ہر ایک کے بارے میں قرآن کریم کے نقطہ نظر کی تشریح کریں گے ۔

پیغمبر کے اختیارات بحیثیت قانون ساز

قرآن کریم کی متعدد آیات نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تشریعی یا قانون سازی کے اختیارات تفویض کرتی ہیں ۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں ۔

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُوْنَهُ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنْجِيْلِ، يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالأَغْلاَلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ، فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِهِ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوْا النُّوْرَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ . (الأعراف : ١٥٦و١٥٧)

" اور میری رحمت تمام اشیاء کو محیط ہو رہی ہے تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام تو ضرور ہی لکھوں گا جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰ ۃ دیتے ہیں اور جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں ۔ جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں کہ وہ نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں سو جو لوگ ان (نبی موصوف) پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں ۔" (۷-۱۵۷)

ترجمے کے نمایاں الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ رسالت ماب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اچھی چیزوں کو جائز اور خراب اور گندی چیزوں کو ناجائز قرار دیں۔ یہ فرض امربالمعروف اور نھی عن المنکر (نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے منع کرنا) سے الگ اور مختلف ہے کیونکہ ثانی الذکر کا تعلق ان چیزوں کی تبلیغ یا ممانعت سے ہے جنہیں پہلے ہی معروف یا منکر قرار دیا جا چکا ہے جبکہ اول الذکر کا تعلق جائز اور ناجائز کے قوانین بنانے سے ہے یا دوسرے الفاظ میں ایسے نئے قوانین کے نفاذ سے ہے جن میں مختلف چیزوں کی اجازت یا ممانعت کا حکم دیا گیا ہو۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہاں نئے مذہبی قواعد و قوانین بنانے کا انتساب قرآن کریم کی طرف نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب ہے لہٰذا اس کے جواب میں یہ دلیل نہیں دی جا سکتی کہ قانونی یا غیر قانونی بنانے سے مراد ان قواعد کا اعلان ہے جو کہ قرآن کریم میں بیان کیے گئے ہیں کیونکہ قانون سازی قانون اعلان سے بالکل مختلف چیز ہے۔

اس کے علاوہ نافذ شدہ قواعد کے اعلان کا حوالہ پہلے ہی علیحدہ طور پر اس طرح ذکر کر دیا گیا ہے۔

"نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔"

چنانچہ جملے کا اگلا حصہ یقیناً صرف نئے قوانین بنانے ہی سے متعلق ہے۔

آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر "ایمان رکھنے" کو بھی زور دے کر ذکر کیا گیا ہے۔ موجودہ سیاق وسباق میں اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے جن فرائض و اختیارات کا اس آیت میں ذکر ہے ان تمام پر ایمان لانا مطلوب ہے اور انہی اختیارات و فرائض میں کسی چیز کو قانونی

اور غیر قانونی قرار دینا بھی شامل ہے۔

مزید برآں آیت میں اس نور کا اتباع کرنے کی ہدایت کی گئی ہے جو آپؐ کے ساتھ نازل ہوا ہے یہاں پھر "قرآن کریم کے اتباع" کے الفاظ استعمال کرنے کے بجائے "نور کے اتباع" کی ہدایت ہے تاکہ یہ ان تمام احکام پر محیط ہو جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کئے گئے ہیں خواہ قرآن مجید کے ذریعے ہو یا وحی غیر متلو کے ذریعے جو آنحضرتؐ کے اقوال و افعال سے منعکس ہوتی رہی ہے۔

غرض یہ کہ کسی بھی زاویئے سے دیکھ لیجئے یہ آیت اس حقیقت کا اعلان کرتی نظر آئے گی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن کریم میں بیان کردہ قوانین کے علاوہ دیگر قوانین بنانے کا بھی (جو ظاہر ہے کہ وحی غیر متلو پر مبنی ہوتے تھے) اختیار تفویض کیا گیا تھا۔

۲۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے!

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَايُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَابِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَايُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

(التوبۃ، ۲۹)

"لڑو ان اہل کتاب سے جو نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اور اس کے رسولؐ نے حرام بتلایا ہے۔" (۹-۲۹)

ترجمے کے نمایاں الفاظ اس بات کو زور دے کر بیان کرتے ہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ناجائز اور غیر قانونی ٹھہرایا ہے، اسے ناجائز اور

غیر قانونی تسلیم کیا جائے نیز یہ کہ کسی چیز کو غیر قانونی اور ناجائز ٹھہرانے کا اختیار اللہ تعالیٰ جل شانہ تک محدود نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی ' اللہ تعالیٰ ہی کی رضامندی اور حکم سے ' اس اختیار کو استعمال کر سکتے ہیں ۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور رسول کے اختیار میں عظیم الشان فرق ہے ۔ اول الذکر حقیقی خودمختار مستغنی اور آزادانہ وجود کا حامل اختیار ہے ۔ جبکہ آخرالذکر اختیار اللہ تعالیٰ کی وحی پر منحصر اور اسی سے اخذ شدہ ہے ۔ لیکن اس عظیم الشان فرق کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ برقرار رہتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات مبارک کو یہ اختیار حاصل ہے اور آپؐ پر ایمان رکھنے والوں کے لئے یہ لازمی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اصلی کے ساتھ ساتھ آپؐ کو تفویض کردہ اس اختیار کے سامنے بھی سر تسلیم خم کردیں

۳- قرآن مجید میں ارشاد ہے !

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا (الأحزاب، ٣٦)

"اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کو گنجائش نہیں ہے جب کہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں کہ ان مومنین کو ان کے اس کام میں کوئی اختیار رہے ۔"

(۳۳-۳۶)

اس آیت میں پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول دونوں کے فیصلوں کو مسلمانوں کے لئے واجب التسلیم ٹھہرایا گیا ہے ۔

یہاں یہ ذکر بے جا نہ ہو گا کہ آیت کے عربی متن میں اللہ اور اس کے رسول (اللہ و رسولہ) کے درمیان لفظ " و " (اور) حرف اتصال اور حرف تفریق دونوں معانی کا حامل ہے۔ یہاں اس سے محض حرف اتصال کے معنی مراد نہیں لئے جا سکتے کیونکہ اس صورت میں " اللہ تعالیٰ کا فیصلہ " اس وقت تک آیت کے مفہوم میں شامل نہ ہو گا جب تک " پیغمبر کا فیصلہ " اس کے ساتھ نہ ہو یعنی پیغمبر کے فیصلے کے بغیر صرف اللہ کا فیصلہ واجب الا طاعت نہ رہے گا اور یہ آیت کے ایسے معنی ہوں گے جن کا کلام خداوندی میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ اس آیت کی معقول اور قابل قبول تفسیر صرف یہی بنتی ہے کہ لفظ " و " (اور) سے حرف اتصال اور حرف تفریق دونوں معنی مراد لئے جائیں۔ چنانچہ آیت کا مطلب یوں ہو گا کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ' دونوں یا کوئی ایک ' کسی بارے میں کوئی فیصلہ کر دیں تو مسلمانوں کے لئے اس فیصلے کو مان لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

اس سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مسلمانوں کے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں فیصلے دینے کا قانونی اختیار حاصل ہے اور مسلمانوں پر لازمی ہے کہ وہ ان فیصلوں کی پابندی کریں۔

۴ ۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے

مَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَھَاکُمْ عَنْهُ فَانْتَھُوْا (الحشر : ۷)

" اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو۔ " (۷ - ۵۹)

اگرچہ اس آیت کا سیاق و سباق جنگ کے بعد مال غنیمت کی تقسیم سے

متعلق ہے لیکن قرآن کریم کی تفسیر کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ اگر کسی خاص واقعے سے متعلق کوئی آیت نازل ہوئی ہے اور اس کے الفاظ اسی واقعے سے متعلق نہیں بلکہ عام ہیں تو ان کا عمومی مفہوم ہی مراد لیا جائے گا اور اس آیت کا اطلاق محض اسی واقعے تک محدود نہیں رہے گا۔

ہمیشہ سے اس اجماعی اور مسلمہ اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایک عمومی قاعدہ بیان کرتی ہے کہ آپؐ کسی معاملے میں جو کچھ بھی فیصلہ دیں وہ آپؐ کے متبعین کے لئے واجب التعمیل ہے اور جس بات سے آپ منع فرمائیں وہ ان کے لئے غلط اور قابل اجتناب ہے۔ چنانچہ اس طرح قرآن کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فیصلے کرنے، قانون بنانے اور پابندیاں عائد کرنے کے قانونی اختیارات تفویض کر دیئے ہیں۔

یہاں مشہور صحابی رسول حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک حکیمانہ جواب کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا جو آپ نے ایک خاتون کے سوال کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

عرب کے قبیلہ اسد کی ایک خاتون حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ فلاں فلاں باتوں کی ممانعت کرتے ہیں۔ حالانکہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو تمام تر پڑھ رکھا ہے۔ لیکن ان باتوں کی ممانعت کسی بھی جگہ مذکور نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگر تم نے اللہ کی کتاب کو پڑھا ہوتا تو تمہیں یہ ممانعت ضرور مل جاتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

مَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَهَاكُمْ عَنْهُ
فَانْتَهُوْا (الحشر : ۷)

اس جواب کے ذریعے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ یہ آیت اس قدر جامع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام احکامات اور ممانعت کے فیصلوں پر محیط ہے اور چونکہ مسئولہ ممانعت کا حکم خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جاری کردہ ہے اس لئے وہ بالواسطہ طور اس آیت کے عموم میں شامل ہے۔

۵- اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے!

فَلاوربَكَ لاَيُؤْمِنُوْن حتّٰى يُحكّمُوْكَ فِيْمَا
شَجَرَ بَيْنَهم ثُمَّ لاَيَجِدُوْا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا
قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء : ٦٥)

"پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایمان دار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کراویں۔" (۶۵ - ۴)

بظاہر اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اختیار ایک منصف اور جج کا اختیار بیان کیا گیا ہے جو کہ اپنے سامنے پیش کئے گئے معاملات کا محاکمہ کر سکتا ہو۔ لیکن آیت میں استعمال ہونے والے الفاظ و تراکیب پر ذرا غور کریں تو یہ بات واضح طور پر روشن ہو جائے گی کہ آپؐ کے اختیارات صرف ایک قاضی یا منصف سے کہیں زیادہ ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک جج اور منصف کو یہ اختیار حاصل ہوتا

۱- سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۳٦٧ حدیث ۱۹۹۸

ہے کہ وہ اپنی صوابدید پر فیصلے کرے اور متعلقہ فریقین سے لازمی طور پر اس فیصلے کی پابندی کروائے لیکن اس کے فیصلوں کو دل و جان سے تسلیم کر لینا کسی فریق کے مسلمان ہونے کے لئے لازمی شرط نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کسی بااختیار جج کے فیصلے کو قبول نہیں کرتا تو اسے اس کا غلط اور نامناسب رویہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ اس کا جرم بھی شمار کیا جا سکتا ہے جس کی اسے سزا تک دی جا سکتی ہے لیکن محض اس جرم میں کہ اس نے منصف کے فیصلے کو قبول نہیں کیا وہ کسی طور پر دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو سکتا۔ اس کی پاداش میں اسے کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس کے برعکس آیت شدت سے اس بات پر اصرار کرتی ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کو تسلیم نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں کہلایا جا سکتا۔ اس کا زور دار انداز بیان اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاکمیت محض ایک عام منصف اور جج کی حاکمیت کی طرح نہیں ہے آپ ؐ کے فیصلے کا انکار اسلام سے منکر ہو جانے کے مترادف ہے جس سے **نتیجتاً** یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صادر کردہ فیصلے کسی مقدمے کے سلسلے میں عام عدالتی فیصلوں سے بہت مختلف ہیں۔ یہ آپ ؐ کے نافذ کردہ وہ قوانین ہیں جو وحی متلو یا غیر متلو کی بنیاد پر تشکیل دیئے گئے ہیں۔ لہٰذا ان قوانین کا انکار درحقیقت قوانین الٰہی کا انکار ہے جن کا منکر امت مسلمہ سے خارج ہے۔

اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو مندرجہ بالا آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ صرف منصف کے اختیارات تفویض کرتی ہے بلکہ آپ کو ایسا قانون ساز ہونے کا منصب بھی عطا کرتی ہے جس کے فیصلے مسلمانوں کے لئے

آسمانی فیصلوں کی طرح واجب التسلیم ہیں۔

٦۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے!

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ. وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ أَفِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَمِ ارتابوا أم يخافوا أن يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ بَلْ أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ وَمَن يُطِعِ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ (النور: ٤٧-٥١)

"اور (منافق) لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لے آئے اور حکم مانا پھر اس کے بعد ان میں کا ایک گروہ سرتابی کرتا ہے اور یہ لوگ اصلا ایمان نہیں رکھتے اور یہ لوگ جب اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف اس غرض سے بلائے جاتے ہیں کہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو ان میں ایک کا گروہ پہلو تہی کرتا ہے اور اگر ان کا حق ہو تو سر تسلیم خم کئے ہوئے آپ کے پاس چلے آتے ہیں ۔ آیا ان کے دلوں میں مرض ہے یا یہ شک میں پڑے ہیں یا

ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم نہ کرنے لگیں۔ نہیں بلکہ یہ لوگ برسر ظلم ہیں۔ مسلمانوں کا قول تو جب کہ ان کو اللہ کی اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے، تاکہ ان کے درمیان میں فیصلہ کر دیں، یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور ایسے لوگ فلاح پائیں گے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کا کہا مانے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی مخالفت سے بچے۔ بس ایسے لوگ بامراد ہوں گے۔" (۵۱، ۴۷ - ۲۴)

یہ آیات بھی اس بات کو بیان کرتی ہیں کہ مسلمان ہونے کے لئے لازمی شرط یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلوں کے سامنے سر جھکا دیا جائے۔ ان لوگوں سے، جو آپؐ کی طرف بلائے جانے کے باوجود اپنے تنازعات تصفیے کے لئے آپؐ کے پاس نہیں لاتے، قرآن کریم کی رو سے مسلمانوں جیسا برتاؤ نہیں رکھا جا سکتا۔ اس آیت کا مطلب بھی پچھلی آیت سے مختلف نہیں ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول پر ایمان کا بنیادی جزو یہ ہے کہ رسولؐ کی حجیت اور اس کا اختیار صدق دل سے قبول کیا جائے۔ تنازعوں کی صورت میں اسی کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس کے فیصلوں کی مکمل اطاعت اور اس کے فیصلوں کی لازماً تمام تر پیروی کی جائے۔

پیغمبر کے اختیارات بحیثیت مفسر قرآن

دوسری قسم کا اختیار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تفویض فرمایا گیا وہ قرآن مجید کی تفسیر و تشریح کا اختیار ہے۔ آپؐ کی ذات اقدس قرآن کریم کی تفسیر کے سلسلے میں معتبر ترین ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے!

وَاَنزَلنَا اِلَيكَ الذِّكرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيهِم وَلَعَلَّهُم يَتَفَكَّرُونَ (النحل:٤٤)

" اور آپ ؐ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تا کہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ؐ ان سے ظاہر کر دیں اور تا کہ وہ فکر کیا کریں ۔ " (۱۶-۴۴) ۱۰

یہاں غیر مبہم اور واضح الفاظ میں بتلایا گیا ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر اور آپ ؐ پر نازل ہونے والی وحی کی تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بنیادی منصب ہے ۔

یہ بات ظاہر ہے کہ مکہ کے عرب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے براہ راست مخاطب تھے ' قرآنی الفاظ کے لئے کسی ترجمے کے محتاج نہ تھے ۔ قرآن مجید ان کی مادری زبان میں نازل ہوا تھا اور تمام تر ناخواندگی ' بے علمی اور جہالت کے باوجود اپنی زبان اور ادب پر ان کا بھرپور عبور اور دسترس ناقابل انکار ہے ۔ ان کی تاثرانگیز شاعری ' بلیغ تقاریر اور فصیح جملے آج بھی عربی زبان و ادب کی بے پناہ ثروت کا بنیادی سرچشمہ ہیں ۔ وہ بحیثیت زبان و ادب قرآنی عبارات کے معنی و مفہوم کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور اس سلسلے میں کسی فرد کی تعلیم کے حاجت مند نہ تھے ۔ یہ بات کہ قرآن کریم کے ابتدائی مخاطب اس کے عبارتی مفاہیم و معانی سے بخوبی واقف تھے ' ہر شک و شبہے سے بالا ہے ۔

اس لئے یہ بات ظاہر ہے کہ وہ تفسیر و تشریح جس کی ذمہ داری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سونپی گئی تھی قرآن کریم کے لفظی مفاہیم و معانی سے

---

۱۰ یہاں استعمال ہونے والا اصل عربی لفظ " ذکر " ہے جس سے بالاتفاق قرآن کریم مراد ہے ۔

سوا کوئی چیز تھی - یہ وہ تشریح تھی جو تمام مستنبط نتائج اور مطلوبہ ضروری تفصیلات پر مشتمل تھی اور جسے اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں تک پہنچانے کا انتظام فرمایا تھا - یہ ضروری تفصیلات آنحضرتؐ تک وحی غیر متلو کے ذریعے پہنچائی گئیں - جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے قرآن کریم نے صاف صاف کہا ہے -

ثم إنّ علينا بيانه (القيامة : ١٩)

"پھر اس کا بیان کر دینا ہمارا ذمہ ہے" (۱۲-۷۵)

یہ آیت اس موضوع پر خود اپنی تفسیر ہے اللہ تعالٰی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی کتاب کی تشریح خود بیان کرنے کا وعدہ فرمایا ہے - چنانچہ آنحضرتؐ کی جانب سے کتاب اللہ کی جو بھی تفسیر کی گئی ہے وہ خود اللہ تعالٰی کی بیان کردہ تشریح پر مبنی ہے - لہٰذا کسی آیت کے بارے میں آپؐ کی بیان کردہ تفسیر تمام ممکنہ تفاسیر پر بالاتر ہے -

پس آپؐ کی ذات اقدس قرآن کریم کی تفسیر و تعبیر کے لئے معتبر ترین ٹھہری اور اس بارے میں آپؐ کا بیان حرف آخر قرار پایا -

پیغمبری تفسیر قرآن کی چند مثالیں

اس کی مزید تعیین اور صراحت کے لئے میں یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کردہ تفسیر قرآن کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں - ان مثالوں سے یہ بھی واضح ہو سکے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو نظرانداز کرنے کی صورت میں ہم خود کو کس بیش بہا نعمت سے محروم کر لیں گے -

۱- نماز عبادت کا ایک معروف طریقہ ہے جو مسلمہ طور پر توحید کے اقرار کے بعد اسلام کا پہلا ستون ہے - قرآن کریم میں ۷۳ سے زائد مقامات پر نماز قائم

کرنے کی تاکید آئی ہے۔ لیکن تاکیدی آیات کی اس کثیر تعداد کے باوجود پورے قرآن مجید میں کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جس میں تشریح کی گئی ہو کہ نماز ادا کیسے کی جائے اور اس پر عمل پیرا ہونے کا کیا طریقہ ہے ؟

نماز کے چند ارکان مثلاً رکوع ' سجود اور قیام یقیناً قرآن کریم میں ذکر کئے گئے ہیں۔ لیکن ایک مجموعی حیثیت میں نماز کی ادائیگی کا طریقہ قرآن کریم میں کہیں ذکر نہیں کیا گیا۔ یہ محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے جس کے ذریعے ہمیں اس کی ادائیگی کے مکمل طریقے کا علم ہوا ہے۔ اگر سنت کو نظر انداز کر دیا جائے تو ہم نماز کی ادائیگی کے صحیح طریقے کی تمام تفصیلات سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ کوئی شخص بھی صرف قرآن کریم کی رو سے نماز کی ادائیگی کا کوئی متبادل طریقہ نہیں بتلا سکتا۔

یہ بات نہایت اہم ہے کہ قرآن کریم جو نماز کے بارے میں تہتر (۷۳) سے زاید مرتبہ تاکیدی حکم دیتا ہے اس نے ایک بار بھی ادائیگی نماز کے تفصیلی طریقے کا ذکر اختیار نہیں کیا۔ یہ صورت محض اتفاق سے اور کسی حکمت کے بغیر پیش نہیں آئی بلکہ دانستہ طور پر یہ نکتہ اسی لئے رکھا گیا ہے کہ سنت کی اہمیت کا ایک پہلو روشن کر دیا جائے۔

نماز جیسے اسلام کے انتہائی اہم ستون کے بارے میں تفصیل بیان نہ کر کے قرآن کریم نے گویا اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ قرآن کریم کے نزول کا مقصد صرف بنیادی اصولوں کی نشاندہی ہے اور ان کی تفصیلات کا بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریحات پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

۲۔ قرآن کریم میں نماز ہی سے متعلق یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ نماز کی ادائیگی صرف چند مخصوص اوقات ہی میں ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :

إِنَّ الصَّلاَةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا (النساء : ١٠٤)

"یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض اور وقت کے ساتھ محدود ہے ۔ (۴ - ۱۰۴) "

اس آیت کریمہ کی روشنی میں یہ واضح ہے کہ چند ایک مقررہ اوقات ہی میں نماز ادا کی جاسکتی ہے لیکن وہ مقررہ مخصوص اوقات کون سے ہیں ؟ اس کی تفصیل قرآن کریم میں نہیں ملتی ۔ حتیٰ کہ یہ بات کہ روز مرہ فرض نمازوں کی تعداد پانچ ہے ، قرآن کریم میں کہیں بھی ذکر نہیں کی گئی ۔ محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے ذریعے ہی ہمیں معلوم ہو سکا ہے کہ فرض نمازوں کی تعداد پانچ ہے اور وہ فلاں فلاں وقت میں ادا کی جا سکتی ہیں ۔

۳ ۔ ہر نماز میں پڑھی جانے والی رکعات کی تعداد کی بھی یہی صورت ہے ۔ قرآن کریم میں کسی بھی جگہ یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ فجر کی رکعات کی تعداد دو اور ظہر ، عصر ، عشاء میں چار چار ہے ۔ اس بارے میں صرف سنت ہی میں تفصیل سے ذکر ملتا ہے ۔

اگر سنت پر یقین کرنے سے انکار کر دیا جائے تو اسلام کے اہم ترین ستون کے بارے میں بھی ہم ان تمام ضروری تفصیلات سے لاعلم رہ جاتے ہیں ۔ اور نماز ایک ایسا مبہم فریضہ بن رہ جاتی ہے جس پر عمل کرنا ممکن نہیں رہتا ۔

۴ ۔ اسی طرح زکوٰۃ کا معاملہ لے لیجئے جو کہ اسلام کا دوسرا ستون ہے اور جس کے بارے میں اکثر اوقات قرآن کریم میں نماز کے ساتھ ساتھ تاکیدی ذکر آیا ہے ۔ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم قرآن کریم میں تیس (۳۰) سے زائد مقامات پر وارد ہوا ہے ۔ لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی کس شخص پر فرض ہے ؟ اس کی ادائیگی کس شرح

سے کی جانی چاہیئے ؟ کن اثاثوں پر زکوٰۃ واجب الادا ہے ؟ کون سے اثاثے زکوٰۃ کی کٹوتی میں شامل نہیں ہوتے ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو نظرانداز کرنے کی صورت میں یہ تمام سوالات تشنہ جواب رہ جاتے ہیں - یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذات اقدس ہے جس نے یہ تمام تفصیلات فراہم کی ہیں -

۵ - رمضان المبارک کے روزے بھی اسلام کا تیسرا رکن شمار ہوتے ہیں - ان کے بارے میں بھی قرآن کریم نے محض بنیادی اصولوں کے بیان پر اکتفا کیا ہے اور بے شمار ضروری تفصیلات آنحضرتؐ کی ان تشریحات پر چھوڑ دی گئی ہیں جو آپؐ کے اسوۂ حسنہ اور احادیث کے ذریعے بتلائی گئی ہیں - روزے کی حالت میں کھانے پینے اور مباشرت کے علاوہ کون کون سے افعال ممنوع ہیں یا کن کی اجازت ہے ؟ کوئی شخص کن حالات میں کن شرائط کے مطابق روزہ توڑ سکتا ہے ؟ روزے کے دوران کس قسم کا علاج معالجہ کرنے کی اجازت ہے ؟ یہ اور اس سے ملتی جلتی تمام تفصیلات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے بیان فرمائی ہیں -

۶ - قرآن کریم نے وضو کا طریقہ بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ہے

وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا (المائدة ٦:)

" اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارا بدن پاک کرو -
(۶-۵)

قرآن کریم نے ایک جگہ یہ بھی واضح کیا ہے کہ حالت جنابت میں کوئی شخص نماز ادا نہیں کر سکتا (۴۳ : ۴) لیکن جنابت کی تعریف قرآن کریم میں کہیں

بھی ذکر نہیں کی گئی ۔ اور نہ یہ بتلایا گیا ہے کہ ایسا شخص اپنے آپ کو کس طریقے سے " اچھی طرح پاک " کر سکتا ہے ۔ صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک ہی نے ان تمام سوالوں کے جوابات ارشاد فرمائے ہیں اور ضروری تفصیلات بیان کی ہیں ۔

۷ ۔ اسلام کے چوتھے ستون " حج " کے بارے میں قرآن کریم نے حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے ۔

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ
إِلَیْہِ سَبِیْلاً (آل عمران : ۹۷)

" اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے (یعنی) اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت رکھے وہاں تک کہ سبیل کی ۔ " (۹۷-۳)

یہاں اس حکم میں یہ بات نہیں بتلائی گئی کہ کسی شخص پر حج کتنی بار فرض ہے ۔ اس کی تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے بیان فرمائی کہ عمر بھر میں ایک بار حج کی ادائیگی سے فریضہ حج ادا ہو جاتا ہے ۔

۸ ۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے !

اَلَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا
فِیْ سَبِیْلِ اللهِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ

" اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے ۔ " (۳۷-۹)

یہاں ذخیرہ اندوزی اور مال و دولت سینت سینت کر رکھنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے ۔ لیکن ان دونوں افعال میں سے کسی کی بھی حدود کا تعین نہیں کیا گیا ۔ آدمی کس حد تک مال و دولت کی بچت کر سکتا ہے ؟ اور کتنا مال و دولت خرچ کرنا فرض ہے ؟ ان دونوں سوالات کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تشریحات پر چھوڑا گیا ہے اور آپؐ ہی نے اس کی تفصیلی حدود بیان فرمائی ہیں ۔

۹ ۔ قرآن کریم نے ان عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے جن سے رشتے کی رو سے نکاح ممنوع ہے ۔ ایک ہی وقت میں دو بہنوں کو نکاح میں رکھنے کی ممانعت بیان کی ہے ارشاد باری ہے ۔

وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الأُخْتَيْنِ (النساء : ۲۳)

" اور یہ کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ رکھو ۔ " (۲۳ ـ ۴)

اس آیت کریمہ کی تشریح فرماتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے واضح فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ کا اطلاق محض دو بہنوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ آیت کریمہ میں ایک اصول بیان کر دیا گیا ہے جس کے تحت پھوپھی ، بھتیجی یا خالہ بھانجی کو بھی بیک وقت نکاح میں نہیں رکھا جا سکتا ۔ اور آیت کریمہ کی ممانعت ان دونوں صورتوں میں بھی لاگو ہوتی ہے ۔

۱۰ ۔ کتاب اللہ میں فرمایا گیا ہے !

اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَات (المائدة : ۵)

" آج تمہارے لیے حلال چیزیں حلال رکھی گئیں ۔ "

(۵ ـ ۵)

یہاں " حلال چیزوں " کی تفصیل بیان نہیں کی گئی ۔ اسلامی قانون کی رو سے " طیبات " کی تفصیلی فہرست صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی نے بیان فرمائی ہے ۔ جس میں آپ نے اکل و مشروبات کی وہ تمام اقسام ذکر فرمائی ہیں جو کسی مسلمان کے لیے حرام ہیں اور طیبات (حلال اشیاء) میں شامل نہیں ہیں ۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جانب سے ان تشریحات کی بدولت ایسی تمام اشیاء کی نوعیت واضح نہ فرمائی جاتی تو ہر شخص اپنی خواہشات اور فہم کی بنیاد پر " طیبات " کی تشریح کیا کرتا اور وحی کے نزول کا اصل مقصد جو کہ اچھی اور بری چیزوں کے مابین حدامتیاز قائم کرنا تھا ۔ ختم ہو کر رہ جاتا ۔ اگر ہر کسی کو اس بات کی آزادی دے دی جائے کہ وہ خود طے کرے کہ کیا چیز اچھی ہے اور کیا بری تو ایسی صورت میں نہ تو کسی وحی کی ضرورت تھی اور نہ کسی رسول کی ۔ اچھے برے میں امتیاز قائم کرنے کی اس ضرورت کو قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی نے پورا فرمایا ہے ۔

اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں جو نظیر کے طور پر پیش کی جا سکتی ہیں لیکن اوپر پیش کردہ چند ایک مثالیں غالباً اس بات کے ادراک کے لیے کافی ہوں گی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پیش کردہ تشریحات کی نوعیت کیا ہے اور مسلمانوں کے لیے قرآن حکیم ہی کے پیش کردہ اسلامی زندگی کے سانچے میں یہ کس درجہ اہمیت کی حامل ہیں ۔

کیا قرآن کریم تشریح طلب ہے

اس بحث کے اختتام سے قبل مناسب ہو گا کہ یہاں ایک سوال کا جواب دے دیا جائے جو قرآن کریم کی تشریح کے حوالے سے اکثر اٹھایا جاتا ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ کیا قرآن کریم کو واقعی کسی تشریح کی ضرورت ہے ؟ کئی مقامات پر

قرآن مجید میں بظاہر یہ دعویٰ نظر آتا ہے کہ اس کی آیات کریمہ جو کہ سمجھنے کے لیے آسان اور معانی کے اعتبار سے واضح ہیں ' خود اپنی ہی تشریح ہیں ۔ لہٰذا اس کے لیے کسی بیرونی تفسیر کی حاجت نہیں ہے لہٰذا پیغمبری تشریحات کو اتنی اہمیت کیوں دی جائے ؟

اس سوال کا جواب خود قرآن کریم میں ملتا ہے ۔ موضوع کے اعتبار سے مشترک بہت سی آیات کریمہ کے یکجا مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم بنیادی طور پر دو قسم کے موضوعات سے تعرض کرتا ہے ۔ ایک تو وہ جن کا تعلق سادہ حقائق اور ان کے عمومی بیانات سے ہے اور جس میں سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی گم گشتہ امتوں کے واقعات ' بنی نوع آدم پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر ' زمینوں اور آسمانوں کی تخلیق ' اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت کے کائناتی مظاہر ' جنت کی نعمتوں 'دوزخ کے عذاب اور دیگر ملتے جلتے مضامین بیان کئے گئے ہیں ۔

موضوعات کی دوسری قسم میں شریعت کے قوانین اور علتیں ' اسلامی قانون کے متفرق پہلو ' نظریاتی معاملات کی تفاصیل ' احکام کے مصالح اور حکمتیں اور اسی قسم کے علمی موضوعات شامل ہیں ۔

پہلی قسم کے موضوعات جن کے لیے قرآن کریم میں " ذکر " (نصیحت ' موعظت ' درس) کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے یقیناً سمجھنے میں اس قدر آسان اور عام فہم ہیں کہ کوئی ناخواندہ شخص بھی کسی دوسرے کی مدد کے بغیر ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے ۔ قرآن کریم اسی قسم کے موضوعات کے بارے میں کہتا ہے ۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

(القمر: ۲۲)

" اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر

دیا ہے، سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔"

(۲۲-۵۴)

یہاں للذکر (نصیحت حاصل کرنے کے لیے) کے الفاظ بڑھا کر قرآن کریم نے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ قرآن مجید کا عام فہم ہونا پہلی قسم کے موضوعات سے تعلق رکھتا ہے۔ بنیادی طور پر آیت کریمہ کا زور قرآن کریم سے سبق حاصل کرنے اور اسی مقصد کے لیے اس کے آسان اور عام فہم ہونے پر ہے۔ اس سے یہ مسئلہ قطعاً نہیں نکالا جا سکتا کہ قانونی نزاکتوں کے استنباط، اسلامی قوانین کی تشریحات اور نظریاتی مباحث پر بھی اس کے آسان اور عام فہم ہونے کا اسی طرح اطلاق ہوتا ہے۔ اگر اس قسم کے موضوعات کی تشریح اور تعبیر بھی ہر کس وناکس کے لیے عام ہوتی خواہ اس کی علمی صلاحیت کتنی ہی کم کیوں نہ ہو، تو قرآن کریم صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتاب کی "تعلیم" اور "تفسیر" کے فرائض ہرگز تفویض نہ کرتا۔ اوپر جو قرآنی آیات کریمہ ذکر کی گئی ہیں ان میں آنحضرتؐ کو ایسی شخصیت کے طور پر متعارف کیا گیا ہے جو قرآن کریم کی تعلیم اور تفسیر کرتی ہے اور اسی سے واضح ہے کہ "کتاب" کو ایک ایسے پیغمبر کی ضرورت تھی جو اس کی تعلیم و تشریح بخوبی انجام دے سکتا ہو۔ ایسی آیات کریمہ کے حوالے سے، جو تشریح طلب ہیں خود قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَتِلْكَ الأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَايَعْقِلُهَا إِلاَّ الْعَالِمُوْنَ (العنکبوت: ٤٣)

"اور ہم ان قرآنی مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور ان مثالوں کو بس علم والے ہی لوگ سمجھتے ہیں۔"

(۲۹-۴۳)

اس سے واضح ہوا کہ پہلی قسم کے موضوعات کے "آسان اور عام فہم" ہونے کا مطلب ایک ایسے پیغمبر کی ضرورت کا انکار قطعاً نہیں ہے جو قرآن کریم کے قانونی معاملات اور علمی نتائج کی تشریح کر سکے۔

احکام رسالت اور حدود وقت

اب تک ہم نے نبوی حاکمیت کی دو اقسام پر بحث کی ہے یعنی اول تو پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی وہ حاکمیت جو قرآن کریم کے بیان کردہ قوانین کے علاوہ اضافی قانون کے لیے آپ ؐ کو حاصل ہے اور دوسرے وہ اختیار جو قرآنی فرامین کی تشریح و تعبیر اور اس کی تفصیلات متعین کرنے میں آنحضرت ؐ کو تفویض کیا گیا تھا۔ لیکن حاکمیت نبوت کی مزید جہتوں پر بحث سے قبل مناسب ہو گا کہ یہاں ایک اور شبہے کا جواب دے کر اس ضمن میں بات صاف کر دی جائے۔

نبوت اور سنت کے اختیارات مکمل ماننے سے منکر حضرات اور اہل تذبذب بسا اوقات یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ جب کبھی قرآن کریم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قانون سازی یا کتاب اللہ کی تشریح و تفسیر کے اختیارات تفویض کیے ہیں تو اس سے مراد دراصل یہ تھی کہ صرف آپ ؐ کے زمانے کے لوگوں پر ان کی تعمیل واجب تھی۔ چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے براہ راست مخاطب تھے اور ہمہ وقت آپ کی نگرانی میں رہتے تھے۔ اس لیے نبوت کی حاکمیت کا اطلاق محض انہیں پر ہوتا ہے اور یہ آئندہ تمام زمانوں میں آنے والی تمام نسلوں کے لیے واجب التعمیل نہیں ہے۔ یہیں سے یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ حاکمیت نبوت کن زمانوں پر محیط ہے اور اس کی حدود کیا ہیں؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیارات و حاکمیت محض آپ ؐ کے زمانے تک محدود ہیں یا ان کا اطلاق آپ ؐ کے بعد آنے والے تاابد تمام

زمانوں پر بھی اسی طرح ہوتا ہے؟

اس بحث کے بنیادی سوال کا جواب پہلے ہی تفصیل سے دیا جا چکا ہے جو کہ آپؐ کی حاکمیت کی نوعیت کے بارے میں ہے۔ بہت سے دلائل کے ساتھ یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت بحیثیت حاکم نہیں بلکہ بحیثیت پیغمبر لازم تھی۔ اگر یہ اطاعت محض ایک حاکم کی اطاعت ہوتی تو اس کا منطقی نتیجہ یقیناً یہ ہوتا کہ آپؐ کی حاکمیت آپؐ کی حکومت کے زمانے تک محدود ہوتی اور جیسے ہی یہ انتظامی منصب اپنے اختتام کو پہنچتا یہ حاکمیت غیر موثر ہو کر ختم ہو جاتی۔

لیکن اگر یہ اختیارات محض ایک حاکم کے نہیں بلکہ پیغمبرانہ اختیارات تھے تو ظاہر ہے کہ نبوت کے برقرار رہتے ہوئے ان اختیارات کے ختم ہونے کا سوال ہی نہیں ہے اور جب تک آپ کو منصب نبوت حاصل ہے یہ حاکمیت بھی باقی اور جاری رہتی ہے۔

اب محض یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک محدود وقت اور مخصوص قوم کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے یا آپؐ کی رسالت تمام بنی نوع انسان اور ہر زمانے کے لیے عام ہے آیئے اس سوال کا جواب خود قرآن کریم میں تلاش کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَيْكُمْ
جَمِيعًا (الأعراف: ۱۵۸)

"آپ کہہ دیجئے کہ اے (دنیا جہاں کے) لوگو! میں تم سب
کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔" (۷-۱۵۸)

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلاَّ كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

(السبا ، ۲۸)

" اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے ۔ "

(۲۸ - ۳۴)

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلاَّ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ

" اور ہم نے آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہاں کے لوگوں پر مہربانی کرنے کے لیے ۔ "

(۲ - ۱۰۷)

تَبَارَكَ الَّذِى نَزَّلَ الفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُوْنَ لِلعَالَمِيْنَ نَذِيْرًا (الفرقان : ۱)

" بڑی عالیشان ذات ہے جس نے یہ فیصلہ کی کتاب اپنے بندہ خاص پر نازل فرمائی تاکہ وہ (بندہ) تمام دنیا جہاں والوں کے لیے ڈرانے والا ہو ۔ " (۱ - ۲۵)

وَاَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلاً وَّكَفَى بِاللهِ شَهِيْدًا

(النساء ، ۷۹)

" اور ہم نے آپ کو لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہیں ۔ " (۷۹ - ۴)

اور کل بنی نوع انسان کو اس طرح مخاطب کیا گیا ہے ۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ
مِن رَّبِّكُمْ فَآمِنُوْا خَيْراً لَّكُمْ وَإِنْ تَكْفُرُوْا فَإِنَّ
لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيْماً
حَكِيْماً . (النساء ، ۱۷۰)

" اے تمام لوگو! تمہارے پاس (یہ) رسول (صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم) سچی بات لے کر تمہارے پروردگار کی طرف سے
تشریف لائے ہیں سو تم یقین رکھو یہ تمہارے لیے بہتر ہو گا
اور اگر تم منکر رہے تو خدا تعالٰی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں
میں ہے اور زمین میں ہے اور اللہ تعالٰی پوری اطلاع رکھتے
ہیں کامل حکمت والے ہیں۔" (۴-۱۷۰)

یہاں پہلی پانچ آیات کریمہ کے لیے کسی وضاحت و تفصیل کی ضرورت نہیں یہ خود تشریحی آیات اس امر پر ناطق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی مخصوص قوم کی طرف نہیں بلکہ تمام بنی نوع آدم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے۔ آپؐ کی رسالت نہ تو کسی زمانے تک مخصوص ہے اور نہ کسی علاقے تک محدود۔

چھٹی آیت کریمہ میں تمام انسانوں سے خطاب ہے اور اجتماعی طور پر ان سب کو آنحضرتؐ پر ایمان لانے کو کہا گیا ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ محض آپؐ کے زمانے کے لوگوں کو آپؐ پر ایمان لانے کی تلقین ہے۔ یہ آیت تمام انسانوں کے لیے عام اور سب کو محیط ہے۔ خواہ ان کا تعلق کسی بھی عہد سے ہو۔

قرآن کریم میں یہ بھی ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کی ذات اقدس

پیغمبروں میں سب سے آخری ہے اور آپ کے بعد کوئی نیا پیغمبر آنے والا نہیں ہے۔

ما کان محمد أبا أحد من رجالکم ولکن رسول
الله وخاتم النبیین وکان الله علی کل شیٔ قدیرا

"محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن
اللہ کے رسول ہیں سب نبیوں کے ختم پر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ
ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔" (۴۰-۳۳)

اس آیت کریمہ میں صاف بتلایا گیا ہے کہ پیغمبروں کے سلسلۃ الذھب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری پیغمبر ہیں۔ سابقہ پیغمبر اکثر کسی خاص قوم اور خاص زمانے کے لیے مبعوث کئے گئے تھے۔ کیونکہ ان کے بعد دوسرے پیغمبر بھی آنے والے تھے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی پیغمبر کو نہیں آنا تھا۔ لہٰذا آپ کی رسالت و نبوت کی وسعت تمام زمانوں اور تمام اقوام تک ہے اور یہی بات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

کانت بنو إسرائیل تسوسهم الأنبیاء،
کلما هلك نبیّ خلفه نبیّ، وإنه لانبیّ بعدی،
وسیکون خلفاء فیکثرون

"بنی اسرائیل کی رہنمائی پیغمبر کیا کرتے تھے۔ جب کبھی کسی پیغمبر کا انتقال ہو جاتا تو اس کی جگہ دوسرا پیغمبر لے لیتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ البتہ میرے بعد خلفاء ہوں گے کافی تعداد میں ہوں گے۔"[1]

۱۔ صحیح بخاری باب نمبر ۵۰ انبیاء حدیث نمبر ۳۴۵۵

اس کے علاوہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت و نبوت کا دائرہ اثر اگلی نسلوں تک وسیع نہ ہوتا تو ان نسلوں کے افراد پیغمبری رشدوہدایت اور رہنمائی سے محروم رہ جاتے جبکہ سنت اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو پیغمبرانہ رہنمائی سے محروم نہیں رکھتا۔ چنانچہ مندرجہ بالا آیات اور گفتگو کی روشنی میں اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمام اقوام پر تاابد تمام زمانوں کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

اور اگر آپؐ کی نبوت تاابد تمام زمانوں کے لیے ہے تو پھر اس خیال کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ اب آپؐ کی حاکمیت واجب التعمیل نہیں اور موجودہ دور کے مسلمانوں پر آپؐ کی اطاعت اور اتباع لازمی نہیں ہے۔

اس سلسلے میں ایک اور نکتہ بھی قابل توجہ ہے

اس کتاب کے پہلے باب میں بے شمار دلیلوں سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے کوئی آسمانی کتاب کسی پیغمبر کے بغیر نازل نہیں فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرما دیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کتاب کی "تعلیم اور تشریح" کے لیے بھیجے گئے ہیں۔

قبل ازیں اس امر کا ثبوت بھی پیش کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیان کردہ تشریحات اور تفصیلات سے قطع نظر کر کے کوئی شخص صرف فرض نمازوں کی ادائیگی کا طریقہ بھی صحیح طور پر نہیں جان سکتا۔

یہ سب باتیں مدنظر رکھتے ہوئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ تشریحات محض عہد نبوت کے عربوں ہی کے لیے ضروری تھیں؟ جہاں تک عربی زبان کا تعلق ہے مکہ کے عرب ہم سے کہیں زیادہ اچھی طرح اس سے واقف تھے۔ وہ قرآن کریم کے اسلوب سے کہیں بہتر طور پر آشنا تھے۔ وہ نزول وحی کے مواقع پر

خود موجود تھے اور گرد و پیش کے ان تمام حالات و واقعات اور پس و پیش منظر کا براہ راست مشاہدہ کرنے والے تھے جن میں قرآن کریم نازل ہوا ۔ انہوں نے قرآن کریم کی آیات کریمہ خود رسالت ماب نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زبان مبارک سے سنی تھیں اور ان تمام اجزا و عناصر کو بخوبی جانتے تھے جن کا جاننا وحی الٰہی کا صحیح اور درست مفہوم سمجھنے کے لیے ضروری ہے لیکن ان سب کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیان کردہ تشریحات ان کے لیے ضروری بلکہ لازمی سمجھی گئیں اور ان کی تعمیل بھی ان پر واجب کی گئی ۔

اگر یہ درست ہے اور بلاشبہ اس کے درست ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے ' تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی عام آدمی بقائمی ہوش و حواس یہ سمجھ لے کہ موجودہ عہد کے ان لوگوں کے لیے جو مذکورہ تمام فوائد سے محروم بھی ہیں پیغمبر علیہ الصلوا ۃ والسلام کی تشریحات کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔ حالانکہ موازنہ کیا جائے تو ہمیں نہ تو عربی زبان وبیان پر ایسی قدرت حاصل ہے جو ان لوگوں کو تھی اور نہ ہی ہم قرآنی اسلوب سے اس درجہ آشنا ہیں جتنا وہ تھے ۔ جن حالات و واقعات کے درمیان قرآن کریم نازل ہوا اور جس کے وہ عینی شاہد تھے ہم تو ان سے بھی مکمل طور پر واقف نہیں ہیں ۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود اگر انہیں قرآن کریم کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریحات کی ضرورت تھی تو پھر ہمیں یقیناً کہیں زیادہ اس کی ضرورت ہے ۔

اگر قرآن کریم کی حاکمیت کے لیے وقت اور زمانے کی کوئی حد آخر نہیں ہے اور اگر قرآن کریم آنے والے تمام زمانوں اور تمام نسلوں کے لیے واجب التعمیل ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ حاکمیت جس کے لیے خود قرآن حکیم نے وقت کی کوئی حد متعین نہیں کی ' قرآن کریم ہی کی طرح ہمیشہ

ہمیشہ موثر اور واجب العمل رہے گی۔ قرآن کریم نے جب یہ کہا تو محض مکہ اور مدینہ کے عربوں ہی کو نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کو خطاب کر کے کہا تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

" اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔" (۴۷-۳۳)

اگر " اللہ تعالیٰ کی اطاعت " ہمیشہ " رسول کی اطاعت " کے ساتھ ساتھ ذکر کی گئی ہے، جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں تو اب اس امر کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ ایک کو دوسرے سے علیحدہ کر دیا جائے۔ اگر ایک سے مراد تاابد اور تمام زمانوں کے لیے اطاعت ہے تو پھر دوسرے کو مخصوص وقت کی کسی حد میں مقید نہیں کیا جا سکتا۔ ایک اور مقام پر قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مابین ایسی کسی تفریق سے اس طرح خبردار کیا ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيْدُوْنَ أَن يُّفَرِّقُوا بَيْنَ اللهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ أَن يَّتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيْلاً أُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ حَقًّا وأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا

(النساء۰ ۱۵۰، ۱۵۱)

" جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور یوں چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے

رسولوں کے درمیان میں فرق رکھیں اور کہتے ہیں کہ ہم
بعضوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں اور
یوں چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ تجویز کریں ' ایسے لوگ
یقیناً کافر ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار
کر رکھی ہے۔" (النساء۔ ۱۵۰ – ۱۵۱)

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت پر ایمان کا لازمی جزو آپ ؐ کی حاکمیت کی اطاعت ہے اور یہ جزو اصل سے کبھی جدا نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اسلام کے ابتدائی زمانے میں آنحضرتؐ کی حاکمیت ماننا اور بعد کے زمانوں میں اس سے انکار کرنا ایسا گمراہ کن نظریہ ہے جس کی اسلامی ماخذ سے کوئی مدد نہیں مل سکتی اور نہ عقل و منطق کی کسی بنیاد پر اسے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

دنیاوی معاملات میں پیغمبر کی حاکمیت

مغرب سے مرعوب شدہ کچھ حلقوں کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حجیت و حاکمیت سے متعلق ایک اور نطقہ نظر پیش کیا جاتا رہا ہے اور وہ یہ کہ بلاشبہ تمام نسلوں اور تمام زمانوں کے لیے آپؐ کی حاکمیت قرآن مجید سے ثابت ہے لیکن اس حاکمیت کا دائرہ عمل صرف عقائد اور عبادات کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان لوگوں کے نقطہ نظر کے مطابق کسی پیغمبر کا فرض منصبی صرف امت کے ایمان و عقائد کی درستگی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا طریقہ سکھلانے تک ہی محدود ہے اور جہاں تک روزمرہ کے دنیاوی معاملات کا تعلق ہے وہ اس حاکمیت کے ذیل میں نہیں آتے۔ ان دنیاوی معاملات میں ' اس نقطہ نظر کے تحت ' معاشی ' معاشرتی ' اور سیاسی معاملات شامل ہیں جن کو ہر زمانے کے حالات

کے مطابق اپنے طور پر طے کیا جانا چاہیئے اور پیغمبری حاکمیت کا ان معاملات میں اطلاق نہیں ہوتا اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان معاملات میں کچھ ہدایات دی بھی ہیں تو وہ دراصل آپ ؐ کی شخصی آراء ہیں جو بطور پیغمبر نہیں دی گئیں لہٰذا امت کے لیے ان ہدایات کی پیروی واجب نہیں ہے۔

اس نظریئے میں وزن پیدا کرنے کے لیے عموماً ایک مخصوص حدیث، سیاق و سباق سے جدا کر کے نقل کی جاتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب ؓ سے فرمایا تھا [۱]

أنتم أعلم بأمور دنياكم

"تم اپنے دنیاوی معاملات بہتر جانتے ہو۔"

اس سے قبل کہ میں اس حدیث شریف کا مکمل متن پیش کروں اس نقطہ نظر کی بنیاد کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ دراصل یہ نظریہ دین اسلام کی ساخت اور ڈھانچے کے متعلق ایک سنگین غلط فہمی پر مبنی ہے۔

اور وہ غلط فہمی یہ ہے کہ دیگر تمام مذاہب کی طرح اسلام بھی کچھ عقائد اور کچھ رسومات کے مجموعے کا نام ہے اور انہیں تک محدود بھی ہے اور روز مرہ انسانی زندگی کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ چند متعین نظریات مان لینے اور بعض مخصوص رسومات کی بجاآوری کے بعد ہر شخص آزاد ہے کہ وہ جس طرح چاہے اپنی زندگی گزارے۔ اس طرز زندگی کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس نقطہ نظر کے موید اور ترجمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاکمیت محض چند عقائد اور عبادات تک ہی تسلیم کرتے ہیں۔

لیکن کوئی مغالطہ خواہ وہ وقت کے لحاظ سے کتنا ہی جدید ترین اور فیشن

۱۰ حدیث مبارک کا مکمل متن آگے پیش کیا جا رہا ہے۔

ایبل ہو ، بہر حال مغالطہ ہی ہوتا ہے ۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ دوسرے مذاہب و ادیان جو لامذہبی طرز زندگی کے ساتھ ساتھ نہ صرف موجود بلکہ ہم آہنگ رہ سکتے ہیں ، ان کے برعکس اسلام ایک مکمل طرز زندگی ہے جو دینی معاملات کے ساتھ ساتھ سیاسی ، معاشی اور معاشرتی مسائل جیسے تمام پہلوؤں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے ۔

قرآن پاک کا ارشاد ہے !

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اسْتَجِيْبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ
إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (الأنفال : ٢٤)

" اے ایمان والو ! تم اللہ اور رسول ؐ کے کہنے کو بجا لایا کرو ، جبکہ رسول ؐ تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہیں

۔" (۸-۲۴)

اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول لوگوں کو زندگی کی طرف بلاتے ہیں پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ زندگی کے معاملات اللہ اور اس کے رسول کے فیصلوں سے بالکل غیر متعلق ہوں ۔ کوئی ایسا شخص جس نے قرآن کریم کا صرف مطالعہ کیا ہو یہ بے بنیاد بات اس پر چسپاں نہیں کر سکتا کہ قرآن کی تعلیمات محض عبادات اور رسومات سے متعلق ہیں ۔ قرآن کریم میں تو خرید ، فروخت ، قرض کے لین دین ، گردی رکھنے ، شراکت داری ، تعزیری قوانین ، وراثت ، ازدواجی تعلقات ، سیاسی معاملات ، جنگ وامن کے مسائل اور بین الاقوامی تعلقات جیسے بیسیوں موضاعات پر خاص احکامات و فرامین موجود ہیں ۔ اگر اسلامی تعلیمات محض عقائد اور رسومات کے پہلوؤں تک محدود ہوتیں تو ان احکامات

وقوانین کی قرآن مجید میں موجودگی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

بالکل اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت بھی معاشی، معاشرتی، سیاسی اور قانونی معاملات پر اس تفصیل سے بحث کرتی ہے کہ بے شمار ضخیم کتب محض اس کی تدوین وترتیب کے لئے لکھی گئی ہیں۔ پھر یہ کیسے خیال کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان موضوعات میں بغیر کسی حاکمیت اور اختیار کے اس قدر تفصیل کے ساتھ دخل دیا ہو۔ ان موضوعات پر قرآن و سنت کے احکامات اس قدر قطعی، حاکمانہ اور ہدایتی نوعیت کے ہیں کہ ان کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ قانونی قوت سے محروم، محض شخصی نصائح کا مجموعہ ہیں۔

یہ بات اگرچہ فی نفسہ درست ہے کہ اس میدان میں جسے اسلامی اصطلاح میں "معاملات" کہا جاتا ہے قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیشتر مواقع پر لچکدار اور غیر جامد اصول پیش کئے ہیں اور اکثر تفصیلات کھلی چھوڑ دی ہیں تاکہ بدلتے ہوئے زمانوں میں ضروریات کے مطابق تبدیلی کی جا سکے۔ لیکن ایسا صرف اور صرف انہی اصولوں کے مطابق اور انہی کے اندر رہتے ہوئے کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ جن معاملات سے قرآن و سنت نے تعرض نہیں کیا وہ کھلے میدان ہیں جن میں مصلحتی ضروریات اپنا کردار ادا کر سکتی ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ قرآن و سنت کا حیات انسانی کی ایک ایسی اہم شاخ سے بالکل کوئی تعلق نہیں ہے جو تاریخ عالم میں ہمیشہ بے سکونی اور انقلابات کا بنیادی سبب رہی ہے۔ جس کے بارے میں نام نہاد "عقلیت پسندانہ نقطہ نظر" سدا باہمدگر متصادم رہے ہیں اور جو بالاخر شیطانی خواہشات کا شکار ہو کر دنیا کو تباہی کی طرف لے گئے ہیں۔

کھجور کے درختوں پر تابیر کا واقعہ

اب ہم اس حدیث پاک کی طرف آتے ہیں جو عموماً اس گمراہ کن نقطہ نظر کی جانب سے اپنے مؤقف کی تائید میں پیش کی جاتی ہے۔ اس حدیث مبارک کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

مدنیہ منورہ کے عرب باشندے اپنے کھجور کے درختوں کو زیادہ سے زیادہ پھل دار بنانے کے لئے مصنوعی بارآوری کیا کرتے تھے۔ یہ عمل "تابیر" کہلاتا تھا۔ اس عمل کی تفصیل ای ڈبلیو لین (E. W. Lane) نے اس طرح بیان کی ہے۔

اس نے کھجور کے ایک درخت کو نر درخت کی پھولوں والی شاخ کے ذریعے بار آور کیا۔ اس طرح کہ یہ شاخ مادہ درخت کی پھولدار شاخ پر رگڑی گئی اور اس کے بار دانے کا مادہ درخت کی شاخ پر چھڑکاؤ کیا گیا۔ یا پھر مادہ درخت کا زرگل نر درخت کی شاخ پر بکھیر دینے کے بعد نر درخت کے پھولوں کا گچھا مادہ کے خوشوں اور پتیوں میں داخل کر دیا گیا۔

اس تفصیل کو مدنظر رکھتے ہوئے درج ذیل حدیث ملاحظہ فرمایئے جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے

عن موسى بن طلحة، عن أبيه، قال: مررت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بقوم على رؤوس النخل، فقال: ما يصنع هؤلاء؟ فقالوا: يلحقونه، يجعلون الذكر في الأنثى، فتلقح، فقال رسول الله صلى الله عليه

وسلم: ما أظنّ يغني ذلك شيئا— قال: فأخبروا بذلك، فتركوه، فأخبر بذلك، فتركوه، فأخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم بذلك، فقال: إن كان ينفعهم ذلك فليصنعوه، فإنّي إنّما ظننت ظنّا، فلاتؤاخذوني بالظن. ولكن إذا حدثتكم عن الله شيئا فخذوه به، فإنّي لن أكذب على الله عزّ وجلّ.

موسیٰ بن طلحہ اپنے والد (حضرت طلحہؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا! میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا جو کہ کھجور کے درختوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے پوچھا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ کھجور کی تابیر کر رہے ہیں اور نر کھجور کے کچھ حصے کو مادہ کھجور کے کچھ حصے پر ڈال رہے ہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرا تو گمان نہیں ہے کہ اس عمل سے کچھ فائدہ ہو گا۔ آپؐ کا یہ ارشاد بعض لوگوں نے ان حضرات تک پہنچا دیا (جو تابیر کر رہے تھے) چنانچہ انہوں نے یہ عمل ترک کر دیا۔ بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا (کہ آپ کے اس ارشاد کی بناء پر انہوں نے تابیر ترک کر دی ہے) اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اگر اس عمل سے انہیں فائدہ پہنچتا ہے تو ان کو چاہیئے کہ وہ کرتے رہیں میں نے تو اپنے ایک گمان کا اظہار کیا تھا، میرے گمان پر مواخذہ نہ کیا کرو لیکن جب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بات بتاؤں تو اس پر ضرور عمل کرو کیونکہ میں اللہ پر جھوٹ نہیں باندھ سکتا۔"

صحابی رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مطابق آپ نے اس موقع پر یہی ارشاد فرمایا!

أنتم أعلم بأمور دنياكم

"تم اپنے دنیاوی معاملات بہتر جانتے ہو ۔"

مکمل سیاق وسباق اور متن کو دیکھنے کے بعد یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ اس حدیث کے الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور کے درختوں کی تابیر کے خلاف کوئی حتمی اور قطعی ممانعت نہیں دی تھی ۔ یہاں جائز اور ناجائز کا کوئی سوال نہیں تھا ۔ جو کچھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ نہ تو کوئی حکم تھا نہ کوئی قانونی اور مذہبی ممانعت تھی اور نہ اس فعل کی کوئی اخلاقی مذمت ۔ وہ تو حقیقتاً کوئی سوچا سمجھا تبصرہ بھی نہ تھا ۔ وہ تو ایک سرسری انداز میں کہا ہوا ایک فقرہ تھا جو ایک عمومی اور فوری نوعیت کے اندازے پر مبنی تھا جیسا کہ آپ نے وضاحت فرما دی ۔ "میرا تو گمان نہیں ہے کہ اس عمل سے کچھ فائدہ ہو گا" کوئی شخص اس جملے کو کسی قانونی یا دینی تبصرے کا مفہوم نہیں دے سکتا اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جملہ ان لوگوں سے نہیں فرمایا جو یہ عمل کر رہے تھے اور نہ ہی یہ پیغام ان تک پہنچانے کا حکم دیا بلکہ بعدازاں ان کو دیگر لوگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبصرے کا علم ہوا ۔

اگرچہ یہ تبصرہ باقاعدہ ممانعت کا حکم نہیں رکھتا تھا لیکن اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک نفس اصحاب ہر بات میں آپؐ کا دیوانہ وار اتباع کرنے کے عادی تھے اور صرف کسی قانونی پابندی کی وجہ سے نہیں بلکہ آنحضرت سے غیر معمولی اور بے پناہ الفت وتعلق کی بنا پر بھی آپؐ کی پیروی کیا کرتے تھے ۔ چنانچہ انہوں نے تابیر کا یہ عمل بالکلیہ ترک کر دیا ۔

لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ انہوں نے

اس ارشاد کی بنا پر یہ عمل چھوڑ دیا ہے تو آپ نے غلط فہمی دور کرنے کے لئے بات کی وضاحت فرما دی۔

اس وضاحت کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام حتمی اور قطعی بیانات ہی واجب التعمیل ہیں کیونکہ وہ آپ نے پیغمبرانہ حیثیت میں اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ارشاد فرمائے ہیں اور جہاں تک آپ کے کسی ایسے لفظ کا تعلق ہے جو آپ نے کسی حتمی اور قطعی بیان کے طور پر نہیں، بلکہ محض ایک بشری گمان کے طور پر ارشاد فرمایا ہو، اگرچہ وہ بھی پوری تعظیم کا مستحق ہے، لیکن اس کو شریعت کا جز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے روز مرہ معاملات میں جہاں شریعت نے براہ راست حکم جاری نہیں کیا وہاں لوگوں کے لئے ایک وسیع میدان چھوڑ دیا گیا ہے اور لوگوں کو اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ وہاں اپنی ضرورتوں اور مصلحتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے علم اور تجربے کی بنیاد پر معاملات چلائیں۔ کسی بنجر اور بے نمو زمین کو کیسے زرخیز بنایا جا سکتا ہے؟ پودوں کی دیکھ بھال کس طرح کرنی چاہئے؟ دفاع کے مقاصد میں کون سے ہتھیار زیادہ کار آمد ہیں؟ سواری کے لئے کس قسم کے گھوڑے زیادہ موزوں ہوتے ہیں؟ کسی مخصوص بیماری کے لئے کونسی دوا زیادہ زود اثر ہے؟ یہ اور اس قسم کے تمام معاملات زندگی کے اس شعبے سے تعلق رکھتے ہیں جہاں شریعت نے کوئی مخصوص جواب نہیں دیا اور اس نوعیت کے معاملات انسانی تجسّس پر چھوڑ دیئے ہیں جو کہ ایسے مسائل کے حل کے لئے کافی ہے۔ "مباحات" کا یہی وہ میدان ہے جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

انتم أعلم بأمور دنياكم

لیکن اس میں وہ دنیاوی معاملات شامل نہیں ہیں جہاں قرآن مجید یا سنت

نے مخصوص اور متعین اصول وضع کئے ہیں یا کوئی واضح حکم دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کھجور کے درختوں کے معاملہ کو ایک کھلا میدان قرار دیا وہیں اس کے متصل بعد یہ بھی ارشاد فرمایا لیکن جب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بات بتاؤں تو اس پر ضرور عمل کرو۔"

مذکورہ بالا تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اسلامی قانون کا دوسرا سرچشمہ ہے، آنحضرت نے پیغمبرانہ حیثیت میں جو کچھ فرمایا یا عمل فرمایا وہ امت کے لئے واجب العمل ہے۔ سنت کی حاکمیت کی بنیاد وحی الٰہی ہے لہٰذا پیغمبر کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہی کی ایک صورت ہے۔ منصب نبوت کی حاکمیت اور اختیارات جن کی بنیاد قرآن کریم کی بے شمار آیتوں پر ہے ان کو کسی بھی طرح کم نہیں کیا جا سکتا۔ نہ اس کی ہر زمانی میاد کو محدود کرنے کی صورت میں اور نہ دنیاوی معاملات کو حاکمیت سے خارج کرنے کی شکل میں۔ اس کی مکمل حاکمیت اور مطلق حجیت بہر صورت ثابت شدہ ہے۔

باب نمبر 4

سنت کا درجہ استناد : تاریخ کی رو سے

حجیت حدیث کے ناقابل تردید دلائل سے گھبرا کر اس کے مخالفین عموماً شک و شبہے کی ایک اور دلیل میں پناہ ڈھونڈنے لگتے ہیں اور سنت کو تاریخی اعتبار سے مشکوک اور غیر مستند ٹھہرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ان لوگوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ماضی و مستقبل کے ہر زمانے میں واجب العمل ضرور ہے لیکن وہ قابل اعتماد طریقے سے محفوظ نہیں رہ سکی۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ قرآن کریم کے برعکس کوئی ایک کتاب بھی ایسی محفوظ نہیں ہے جس میں سنت کے بارے میں قابل اعتماد بیانات محفوظ ہوں۔ سنت کی بہت سی تصنیفات موجود ہیں جن میں احادیث کی بہت بڑی تعداد جمع کی گئی ہے اور بسا اوقات ان احادیث میں باہمی تضاد پایا جاتا ہے۔ نیز یہ تصنیفی کام بھی تیسری صدی ہجری میں کئے گئے۔ لہٰذا ہم ان بیانات پر اعتماد نہیں کر سکتے جو تیسری صدی ہجری سے قبل احاطہ تحریر میں نہیں آئے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ دلیل بے شمار غلط بیانیوں اور غلط فہمیوں کی بنیاد پر قائم ہے۔ جیسا کہ ہم اسی باب میں آگے چل کر دیکھیں گے یہ دعویٰ قطعاً غلط ہے کہ احادیث نبوی ؐ تیسری ہجری سے قبل مدون نہیں ہوئی تھیں۔ لیکن سنت کے تاریخی پہلو کو پرکھنے سے پیشتر بہتر ہو گا کہ اس دلیل کا منطقی تجزیہ کیا جائے۔

یہ نظریہ تسلیم کرتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبرانہ حاکمیت آنے والے ہر زمانے میں واجب التعمیل ہے اور ہر عہد کے مسلمانوں پر اس کی پیروی لازمی ہے لیکن اسی سانس میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سنت کے

بیانات ناقابل اعتماد ہونے کی بنا پر ہم آپؐ کی اطاعت نہیں کر سکتے ۔ کیا اس سے یہ منطقی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر پیغمبرؐ کی اطاعت تو واجب کر دی لیکن عملی طور پر اس اطاعت کو قابل عمل نہیں بنایا ۔ سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ ہمیں کسی کام کے بارے میں ایسا حکم دے سکتا ہے جس پر عملدرآمد ہمارے وسائل اور طاقت سے باہر ہو ۔ یقیناً اس کا جواب نفی میں ہے ۔ خود قرآن کریم میں ارشاد ہے !

لاَ يُكَلِّفُ اللهُ نَفسًا إلاَّ وُسعَهَا

" اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو" (۲۸۶ – ۲)

ایسا سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک ایسے کام کا حکم دیا ہو جس کا وجود ہی نہ ہو یا جس کا ہونا قطعاً ممکن نہ ہو ۔ اگر یہ بات درست ہے اور اس کے درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمیں سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرنے کی ہدایت کا واضح مطلب یہ ہے کہ سنت ناقابل رسائی نہیں ہے اگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر سنت کی پیروی لازم کی ہے تو لازماً اس نے ہمارے لئے اسے محفوظ شکل میں باقی رکھا ہو گا ۔

اس سلسلے میں درج ذیل نکتہ بھی قابل توجہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ہم سے قرآن کریم میں وعدہ کیا ہے ۔

إنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّكرَ وَإنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر : ۹)

" ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں" (۹ – ۱۵)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حفاظت قرآن کریم کا یقین دلایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم ہمیشہ کسی الحاق و آمیزش کے بغیر محفوظ رہے گا اور نسل در نسل اصلی اور حقیقی صورت میں حشو وزوائد کے بغیر منتقل ہوتا رہے گا۔ سوال یہ ہے کہ آیا وہ آسمانی حفاظت جس کا وعدہ قرآن کریم میں موجود ہے محض قرآن کے الفاظ تک محدود ہے یا اس کا اطلاق قرآن مجید کے اصل معانی پر بھی ہوتا ہے؟ اگر قرآن کریم کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے پیغمبرانہ تشریحات ضروری ہیں جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے تو پھر محض قرآن کریم کے الفاظ کی حفاظت اس وقت تک اپنا مقصد پورا نہیں کر سکتی جب تک کہ پیغمبرانہ تشریحات بھی محفوظ نہ ہوں۔ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے

اِنَّا أنزلنااِلیك الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیہِم

" اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تا کہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ان سے ظاہر کر دیں۔ "

پہلی آیت (۹ - ۱۵) کی طرح یہاں بھی " ذکر " کا لفظ قرآن کریم کے لئے استعمال ہوا ہے اور یہ وضاحت سے بتلایا گیا ہے کہ لوگ اس سے اسی وقت ہدایت و رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں جب آپؐ کی تشریحات ان کی رہنما ہوں۔ یہاں پھر للناس (لوگوں کے لئے) کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے (خصوصاً اصل عربی متن کے سیاق و سباق میں) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان فرمودہ " تشریحات " ہر ایک کے لئے ضروری ہیں۔

پس اگر ہر عہد میں بسنے والا ہر شخص پیغمبری تشریحات کا محتاج ہے اور اس کے بغیر خاطر خواہ طور پر قرآن کریم سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا تو پھر اس

بات کے کیا معنی ہیں کہ قرآن کریم کے الفاظ کی تو حفاظت کی جائے اور پیغمبرانہ وضاحتوں اور تشریحات کو ان لوگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے جو اسے مسخ کرنے پر تلے ہوئے ہوں اور ان تشریحات کی حفاظت پر قطعاً توجہ نہ دی جائے ؟ لہٰذا جب ایک بار قرآن کریم کے لئے پیغمبری تشریحات کو ضروری مان لیا گیا پھر یہ بات کہنا خود اس اقرار سے متضاد ہو گا کہ یہ تشریحات اب دستیاب نہیں ہیں ۔ یہ دعویٰ اللہ تعالیٰ کی حکمت و دانائی کو معاذ اللہ جھٹلانے کے مترادف ہو گا کیونکہ یہ طریق کار کسی طرح حکیمانہ نہیں کہلایا جا سکتا کہ ایک جانب تو سنت کی ضرورت لازمی ٹھہرائی گئی ہو اور دوسری طرف اس کا حصول ناممکن بنا دیا جائے ۔ اس طرح کی حکمت عملی کا انتساب یقیناً اللہ تعالیٰ کی علیم و حکیم ہستی کی طرف نہیں کیا جا سکتا ۔

یہ استخراجی (Deductive) دلیل میرے خیال میں اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ آسمانی ہدایت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے لازمی ہے بحیثیت عمومی ایک قابل اعتماد ذخیرے کے طور پر ہمیشہ کے لئے موجود ہے ۔ ہماری رائے میں سنت کے مستند ہونے پر اٹھائے گئے تمام اعتراضات تنہا اسی دلیل کی بنا پر رد کر دیئے جانے کے مستحق ہیں ۔ لیکن اصل حقائق کے مطالعے کی غرض سے ان معیارات کا ایک مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے جو امت نے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محفوظ رکھنے کے لئے تشکیل دیئے ہیں ۔ یہ اس موضوع کا ایک مختصر اور استقرائی (Inductive) جائزہ ہے جس کی تفصیل کے لئے عربی اور دیگر زبانوں میں بے شمار کتب دستیاب ہیں یہ تعارف اپنے اختصار کے باعث جامع ہونے کا متحمل نہیں تھا اور اس کے یہاں پیش کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ چند ایسے بنیادی

حقائق کو اجاگر کر دیا جائے جو معروضی اور حقیقت پسندانہ فکر رکھنے والے کسی بھی شخص کے لئے سنت کا اعلیٰ استنادی مقام متعین کرنے کے لئے کافی ہوں۔

حفاظت حدیث

یہ بات کہنا قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے کہ سنت کو پہلی بار تیسری صدی ہجری میں مدون کیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ احادیث کی تدوین خود آنحضرتؐ ہی کے عہد مبارک میں شروع ہو چکی تھی۔ جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے۔ اگرچہ کتابت حدیث ہی وہ واحد طریقہ نہ تھا جس کے ذریعے احادیث کی تدوین کر کے ان کو محفوظ کیا گیا ہو بلکہ اس مقصد کے لئے دیگر ایسے قابل اعتماد طریقے بھی موجود تھے۔ اس نکتے کو درست طور پر ذہن نشین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی مختلف اقسام کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

احادیث کی تین اقسام

متعلقہ اسلامی علوم کی اصطلاح میں کوئی انفرادی روایت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی سنت کو بیان کرے "حدیث" (جمع۔ احادیث) کہلاتی ہے۔

راویوں کی کثرت تعداد کے لحاظ سے احادیث کی مندرجہ ذیل تین بڑی اقسام ہیں۔

۱۔ متواتر

وہ حدیث مبارک جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک

سے لے کر آج تک ہر دور اور ہر زمانے میں اتنے راویوں نے روایت کی ہو کہ عقلاً ان تمام کا کسی جھوٹ بات بیان کرنے پر متفق ہونا ناممکن ہو۔

حدیث کی یہ قسم مزید دو اقسام پر مشتمل ہے

(الف) متواتر باللفظ

وہ حدیث مبارک جس کے الفاظ کو راویوں کی اتنی بڑی تعداد نے جو حدیث کے متواتر ہونے کے لئے ضروری ہے' اس طرح روایت کیا ہو کہ تمام راوی اپنی اپنی روایات میں یکساں الفاظ ذکر کرتے ہوں اور ان الفاظ میں کوئی بڑا فرق اور اختلاف نہ پایا جاتا ہو۔

(ب) متواتر بالمعنی

ایک ایسی متواتر حدیث جس کو راویوں نے یکساں الفاظ میں ذکر نہ کیا ہو متواتر بالمعنی کہلاتی ہے ایسی حدیث میں الفاظ ایک جیسے نہیں ہوتے اور بسا اوقات بیان کردہ واقعات بھی مختلف ہوتے ہیں لیکن تمام راوی ایک بنیادی بات پر متفق ہوتے ہیں جو کہ ہر روایت میں پائی جاتی ہے۔ یہ بنیادی مفہوم بھی متواتر مفہوم کہلاتا ہے۔

مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

" جو شخص جانتے بوجھتے ہوئے کوئی جھوٹ میری طرف منسوب کرے۔ اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنا لے۔"

مندرجہ بالا حدیث متواتر حدیث کی پہلی قسم میں شامل ہے اس لئے کہ اس کے کم از کم چوہتر راوی ہیں دوسرے الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چوہتر صحابہ کرامؓ نے مختلف مواقع پر یکساں الفاظ میں یہ حدیث روایت کی ہے۔ پھر جن افراد نے صحابہ کرامؓ سے یہ حدیث حاصل کی ان کی تعداد کئی گنا زیادہ ہے۔ کیونکہ چوہتر صحابہؓ میں سے ہر ایک نے اپنے شاگردوں کی بڑی تعداد کو یہ حدیث منتقل کی چنانچہ اس حدیث کے راویوں کی کل تعداد نسل درنسل بڑھتی چلی گئی اور کسی بھی زمانے میں چوہتر سے کم نہیں رہی۔ یہ تمام راوی جواب سینکڑوں کی تعداد میں ہیں اس حدیث کو کسی معمولی فرق کے بغیر بالکل انہی الفاظ میں روایت کرتے ہیں لہٰذا یہ حدیث مبارک متواتر باللفظ ہے کیونکہ عقلی طور پر یہ بالکل ناممکن ہے کہ لوگوں کی اتنی کثیر تعداد ایک جھوٹے فقرے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف انتساب کرنے پر متفق ہو گئی ہو۔

دوسری طرف راویوں کی ایک بڑی تعداد نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نماز فجر میں دو ' ظہر عصر اور عشاء میں چار، چار اور نماز مغرب میں تین رکعات ادا کرنے کا حکم دیا۔ اگرچہ ان راویوں کی تمام روایات یکساں الفاظ میں ہم تک نہیں پہنچیں۔ الفاظ مختلف ہیں ۔ حتیٰ کہ ان میں بیان کردہ واقعات بھی الگ الگ ہیں۔ لیکن ان کا بنیادی مفہوم اور نکتہ ایک ہے اور یہ مفہوم رکعات کی متعین تعداد کا ہے جو یہاں متواتر بالمعنی ہے۔

۲۔ مشہور

حدیث کی دوسری قسم مشہور کہلاتی ہے محدثین کے مطابق اس اصطلاح

کی درج ذیل تعریف کی جاتی ہے۔

" ایک ایسی حدیث جو متواتر نہ ہو لیکن کسی بھی نسل میں اس کے راوی تین سے کم نہ رہے ہوں (مشہور کہلاتی ہے)"[۱]

یہی اصطلاح فقہ کے ماہرین کے یہاں بھی مروج ہے لیکن ان کی تعریف قدرے مختلف ہے۔ ان کے مطابق ایک مشہور حدیث وہ ہے صحابہ کرامؓ کے عہد مبارک میں "متواتر" نہ تھی لیکن اس کے متصل بعد "متواتر" بن گئی۔[۲]

ان دونوں تعریفوں کے مطابق "مشہور" حدیث متواتر" کے بعد دوسرے درجے پر آتی ہے۔

۳- خبرواحد

یہ حدیث کی وہ قسم ہے جس کے راوی کسی ایک نسل میں تین سے کم رہ گئے ہوں۔

آیئے ان سب اقسام کا تجزیہ کرتے ہیں۔

پہلی دو اقسام کا درجہ اعتبار

جہاں تک متواتر احادیث کا تعلق ہے کوئی شخص ان کے معتبر ہونے میں شک نہیں کر سکتا۔ ہماری روزہ مرہ زندگی سے متعلق بھی وہ حقائق شک و شبے سے بالاتر مانے جاتے ہیں جو تسلسل اور تواتر کے ساتھ بیان کئے گئے ہوں۔ ایک "متواتر" روایت سے متعلق کوئی بیان ہر ایک کو کسی ہچکچاہٹ کے بغیر مان لینا بھی چاہئے۔ مثال کے طور پر میں نے کبھی ماسکو کا شہر نہیں دیکھا لیکن یہ حقیقت کہ ماسکو ایک بڑا شہر اور سوویت روس کا دارالحکومت ہے۔ ناقابل تردید حقیقت

۱۔ تدریب الراوی علامہ سیوطیؒ ص ۱۸۱ جلد دوم کراچی ۱۹۷۲ء ۔ ۲۔ اصول السرخسیؒ

ہے - یہ بات مجھ تک ان بے شمار راویوں کے ذریعے پہنچی ہے جنہوں نے یہ شہر دیکھا ہے - یہ ایک متواتر اور تسلسل کے ساتھ بیان کی جانے والی حقیقت ہے جس کو کسی طرح جھٹلایا نہیں جا سکتا -

میں نے پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں رونما ہونے والے واقعات کا خود مشاہدہ نہیں کیا لیکن یہ حقیقت کہ یہ دونوں عظیم جنگیں پیش آئی تھیں شک و شبے کی ادنیٰ سی پرچھائیں سے مبرا ' تواتر اور تسلسل کے ساتھ بیان ہونے والی روایات کی بنیاد پر ایک مسلمہ حقیقت ہے -

بالکل اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے بارے میں متواتر روایات ان کی صداقت کے بارے میں کسی معمولی سے شک و شبے کے بغیر قبول کی جانی چاہیئیں قرآن کریم کی سچائی اس طور پر مسلم ہے کہ یہی وہ کتاب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی گئی تھی - چنانچہ اسی طرح متواتر احادیث خواہ وہ لفظا متواتر ہوں یا معنا قرآن کریم کی طرح مستند و معتبر ہیں اور ماخذ کے استناد و اعتبار کے لحاظ سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے -

اگرچہ " متواتر " احادیث کے پہلے درجے یعنی " متواتر باللفظ " میں شامل ہونے والی احادیث چند ایک ہی ہیں لیکن متواتر بالمعنی کی قسم میں شامل احادیث کی تعداد کثیر ہے - چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کا ایک معتدبہ حصہ انہی متواتر احادیث پر مشتمل ہے جن کی صحت و صداقت میں کسی تذبذب کی گنجائش نہیں ہے -

جہاں تک دوسری قسم " مشہور " احادیث کا تعلق ہے ان کا درجہ صحت متواتر احادیث کی نسبت کم ہے لیکن اس کے باوجود یہ روایات کی صداقت اور سچائی کے بارے میں اطمینان کے لئے بہت کافی ہیں کیونکہ اس کے لئے ہر نسل

میں تین سے زائد سچے اور قابل اعتماد راوی ضروری ہیں ۔

تیسری قسم خبر واحد ہے اس کی حجیت اور صداقت کا انحصار راویوں کی راست بازی اور دیانت پر ہے اگر راوی ہر لحاظ سے قابل اعتبار ہے تو اس کی بیان کردہ روایت قبول کی جا سکتی ہے لیکن اگر ایک اکیلا راوی مشکوک تصور کیا جائے تو تمام تر روایت خو بخود مشکوک ٹھہرتی ہے ۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ اصول دنیا کے ہر خطے میں لاگو اور کار فرما ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت کے بارے میں اس پر اعتراض کیا جاتا ہے حالانکہ حدیث نبوی کے بارے میں یہ اصول زیادہ قابل اطلاق ہونا چاہئے کیونکہ احادیث کو روایت کرنے والے اپنی روایتوں کی نزاکت اور اہمیت سے بخوبی واقف تھے ۔ یہ کسی ایسی بات کی روایت نہیں تھی جو قانونی اور دینی اثرات کی حامل نہ ہو بلکہ ایسی حقیقت کا بیان تھا جس کے نتائج دور رس اور لاکھوں افراد کی زندگیوں پر اثر انداز ہونے والے تھے احادیث کے راوی اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف کسی قول یا فعل کا انتساب کھیل تماشہ نہیں ہے ۔ اس معاملے میں روایت کی معمولی سی دانستہ غلطی اور شعوری لاپرواہی انہیں اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا مستوجب کر سکتی ہے ۔ اور تاابد دوزخ میں ٹھکانہ بنا سکتی ہے ۔ احادیث کے ہر راوی کو درج ذیل معروف متواتر حدیث اچھی طرح معلوم تھی ۔

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

" جب شخص جانتے بوجھتے ہوئے کوئی جھوٹ میری طرف منسوب کرے ' اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنا لے "

اس حدیث مبارک نے راویان احادیث کے دلوں میں ذمہ داری کا ایک ایسا احساس پیدا کر دیا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کوئی خبر بیان کرتے وقت ان کا چہرہ خوف سے زرد ہو جاتا کہ کہیں ان کی روایت میں کوئی غلطی نہ در آئے۔

یہی وہ بنیادی سبب ہے جس کے باعث ذمہ دار راویوں نے احادیث کی روایت اور حفاظت میں ہر ممکن احتیاط برتی ہے۔ تاریخی واقعات کے بیان اور روایت میں احتیاط کا یہ عنصر کہیں نہیں ملے گا۔ لہٰذا یہ اصول کہ کسی حدیث کی صحت و صداقت اس کے راویوں پر منحصر ہے، عام حالات میں بیان کردہ کسی خبر سے کہیں زیادہ حدیث کے معاملے پر لاگو ہوتا ہے۔

آیئے اب وہ مختلف طریقے دیکھیں جو امت نے احادیث کو ان کی اصلی صورت میں برقرار رکھنے کے لئے اختیار کئے۔

حفاظت حدیث کے متفرق طریقے

جیسا کہ ہم بعد میں پڑھیں گے صحابہ کرامؓ نے احادیث کی بڑی تعداد تحریری شکل میں محفوظ کی تھی۔ لیکن حفاظت حدیث کا یہ واحد طریقہ نہ تھا بلکہ اس کے علاوہ بھی مختلف طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔

بذریعہ یادداشت

شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرامؓ احادیث زبانی یاد کرنے کے عادی تھے۔ آنحضرت کا ارشاد ہے۔

نضّرَ اللہ عبدا سَمع مقالتی فوعاھا ثمّ أدّاھا کما سمعَ

"اللہ اس شخص کو ہمت و قوت عطا کرے جو میرا کہا ہوا سن

کر زبانی یاد کر لیتا ہے پھر اس بات کو دوسروں تک بالکل اسی
طرح پہنچا دیتا ہے جس طرح اس نے سنا تھا۔"

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس حدیث کا مصداق بننے کے مشتاق رہا کرتے اور وقت کا ایک معتدبہ حصہ احادیث کو زبانی یاد کرنے میں صرف کیا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت گھر بار ترک کر کے صرف اس لئے مسجد نبویؐ میں قیام پذیر ہو گئی تھی کہ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست احادیث کی سماعت کا موقعہ مل سکے گا۔ انہوں نے اپنی زندگیاں اسی مقصد کے لئے وقف کر دی تھیں کہ احادیث مبارکہ اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر رکھیں۔ اس جماعت کو اصحاب صفہ کہا جاتا ہے۔

عربوں کو ایسی غیر معمولی یادداشت اور قوت حافظہ عطا کی گئی تھی کہ ان کو اپنی شاعری کے سینکڑوں اشعار حفظ ہوتے تھے۔ ان میں کم وبیش ہر ایک شخص نہ صرف اپنے شجرہ نسب کی تفصیلات سے واقف ہوتا بلکہ اسے اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کے شجرہ ہائے نسب بھی ازبر ہوتے تھے۔ ان کے بچے تک مختلف قبائل کے سلسلہ نسب کا بخوبی علم رکھتے تھے۔ عربی شاعری کے مشہور راوی حماد کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حروف تہجی کے ہر لفظ کے تحت ایک سو طویل قصائد زبانی سنا سکتا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے تین ہزار اڑتیس طویل قصائد زبانی یاد تھے۔ [۱]

عرب اپنی قوت حافظہ پر اس قدر نازاں اور پر اعتماد تھے کہ وہ تحریر سے زیادہ یاد داشت پر بھروسہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کئی شعراء اس بات کو نقص سمجھتے تھے کہ ان کی شاعری لکھ کر محفوظ کی جائے۔ ان کا خیال تھا کہ تحریر میں

۱؎ الاعلام از زرکلی ۱۳۱ : ۲

تحریف ممکن ہے جبکہ ذہنوں میں محفوظ شدہ الفاظ کو کوئی بگاڑ نہیں سکتا۔ اگر کچھ شاعروں نے اپنی منظومات تحریر کی بھی ہیں تو انہوں نے یہ بات ظاہر کرنا پسند نہیں کیا کیونکہ اس طرح ان کے حافظے پر حرف آتا تھا اور یہ گویا ان کی یاد داشت میں ایک نقص کی نشان دہی تھی۔ ۱۰

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے اس غیر معمولی یادداشت کو احادیث محفوظ کرنے کے لئے استعمال کیا جن کے بارے میں ان کا یقین کامل تھا کہ یہ قرآن کریم کے بعد رہنمائی کا واحد ماخذ ہے۔ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ احادیث محفوظ کرنے میں ان کا ذوق و شوق شعر وادب کے مقابلے میں بدرجہا زیادہ تھا چنانچہ انہوں نے احادیث کے معاملے میں اپنی یاد داشت زیادہ محتاط اور زیادہ جاندار طریقے پر استعمال کی۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ممتاز صحابی ہیں اور جنہوں نے پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) احادیث روایت کی ہیں فرماتے ہیں۔

جزأتُ الليل ثلاثة أجزاء، ثلثا أصلي، وثلثا أنام، وثلثا أذكر فيه حديث رسول الله ﷺ

"میں نے اپنی رات تین حصوں میں تقسیم کر رکھی ہے ایک تہائی رات میں نماز پڑھتا ہوں، ایک تہائی میں سوتا ہوں، اور باقی ایک تہائی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث یاد کرتا ہوں۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد اپنی زندگی احادیث کا علم حاصل

۱۰۔ الاغانی جلد ۱۶ صفحہ ۱۱۶

کرنے کے لئے وقف کر دی تھی ۔ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کسی بھی صحابی کی نسبت زیادہ احادیث روایت کی ہیں ۔ ایک دفعہ مدینہ کے گورنر مروان نے آپ کے **حافظے** کا امتحان لینا چاہا اور آپؓ کو اپنے گھر مدعو کیا ۔ پھر آپ سے کچھ احادیث بیان کرنے کی فرمائش کی ۔ مروان نے اپنے کاتب **ابوزعیزعہ** کو پہلے سے پردے کی آڑ میں بٹھا کر ہدایت کر رکھی تھی کہ حضرت ابوہریرہؓ کی بیان کردہ احادیث تحریر کرتے جائیں ۔ کاتب نے حسب ہدایت یہ احادیث تحریر کر لیں ۔ ایک سال کے بعد مروان نے پھر حضرت ابوہریرہؓ کو مدعو کیا اور پچھلے سال کی بیان کردہ احادیث دہرانے کی فرمائش کی اور اسی طرح کاتب کو پہلے سے ہدایت کر دی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ الفاظ کا مقابلہ پچھلے تحریر شدہ الفاظ سے کرتا جائے ۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے احادیث بیان کرنی شروع کیں اور **ابوزعیزعہ** پچھلی تحریر سے الفاظ کا موازنہ کرتا رہا آخر میں نے اس نے دیکھا کہ حضرت ابوہریرہؓ کے بیان میں نہ تو کوئی چھوٹا اور نہ ہی پچھلے بیان سے مختلف کوئی لفظ بدلا گیا ۔ [1]

فن حدیث کی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جو واضح طور پر یہ بتلاتی ہیں کہ احادیث روایت کرنے والوں نے اپنی اس بے مثال اور غیر معمولی قوت حافظہ کا استعمال کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے سنت نبوی کی حفاظت کے لئے ان کو **ودیعت** کی گئی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وعدہ فرمایا تھا۔

جیسا کہ ہم آگے پڑھیں گے علم حدیث کے ماہرین نے "اسماالرجال" کا سائنسی علم وضع کیا جس کے تحت ایسے قابل اعتماد اصول بنائے گئے جن سے کسی راوی حدیث کی قوت حافظہ جانچی جاتی تھی ۔ وہ کبھی کسی حدیث کو اس وقت تک قابل اعتماد تسلیم نہیں کرتے تھے جب تک اس کے تمام راوی قوت حافظہ کے

۱۔ البدایۃ والنہایہ ص ۱۰۶ ج ۸ و سیراعلام النبلا للذہبیؒ ص ۴۳۱ ج ۳

اعلیٰ معیار پر پورے نہ اترتے ہوں۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ "قوت حافظہ" علم حدیث میں عمومی مفہوم کی کوئی مبہم اصطلاح نہیں ہے بلکہ وہ مخصوص شرائط اور معیارات پر مبنی ایک خالص فنی اور تکنیکی حیثیت رکھتی ہے جس کے ذریعے راویوں کے رد و قبول کا فیصلہ ہوتا ہے اور ان کا قابل اعتماد ہونا پرکھا جاتا ہے۔ "اسماء الرجال" اور جرح وتعدیل" کے محققین کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جنہوں نے راویوں کو مذکورہ شرائط اور معیاروں پر جانچنے میں اپنی زندگیاں صرف کر دیں۔ ہر راوی کی قوت حافظہ پرکھنا اور اس کی بارے میں اپنے معروضی وغیرہ جانبدارنہ آراء ریکارڈ کرنا ہی ان کا مقصد اور اوڑھنا بچھونا بن گیا۔

آج کل کے ایک ایسے عام آدمی کے حافظے کا احادیث کے راویوں سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا جو کسی واقعے کا مشاہدہ کرتا یا کوئی خبر سنتا ہے اور اسے دوسروں تک غیر محتاط طریقے سے اس کی پروا کئے بغیر پہنچا دیتا ہے کہ اس کی روایت کس حد تک درست ہے۔ درج ذیل نکات اس بات کو واضح طور پر سمجھنے میں خصوصاً توجہ طلب ہیں۔

1۔ راویان حدیث بہت اچھی طرح اس بات کی اہمیت اور نزاکت سے آگاہ تھے کہ وہ کیا چیز روایت کر رہے ہیں؟ ان کا صدق دل سے یہ ایمان تھا کہ اس معاملے میں کوئی غلط بیانی یا لاپروائی کا انداز ان کے لئے دنیا و آخرت دونوں کا وبال بن سکتا ہے۔ اس یقین اور ایمان نے انہیں ذمے داری کے انتہائی احساس سے مالا مال کر دیا تھا اور ظاہر ہے کہ ذمے داری کا یہ قوی احساس کسی راوی کو اپنی روایات میں انتہائی امین اور دیانت دار بنا دیتا ہے۔ ایک عام اخباری رپورٹر جب کسی ایسے حادثے کی خبر پہنچاتا ہے جس کا تعلق عام افراد سے ہو تو اس کی

تفصیلات کی درستگی کی زیادہ احتیاط نہیں کرتا لیکن اگر وہ واقعہ ملک کے صدر یا وزیراعظم سے متعلق ہو تو وہ یقیناً تفصیلات بیان کرنے میں زیادہ محتاط ہو گا اور اس کی خبر رسانی میں اپنی بھرپور صلاحیتوں کو روبہ عمل لائے گا ۔ اب دونوں صورتوں میں رپورٹر وہی ہے لیکن پہلی مثال کی نسبت دوسری مثال میں وہ زیادہ درست اور محتاط ہے ۔ کیونکہ واقعے کی نوعیت اس سے زیادہ ذمہ داری اور دیانت داری کی متقاضی ہے ۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ' ان کے تلامذہ اور دیگر راویان حدیث اس بات پر کامل ایمان رکھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جانب منسوب کوئی حدیث کسی بھی دیگر معاملے کی روایت کی نسبت بدرجہا اہم ہے ۔ وہ جانتے تھے کہ یہ اسلامی قانون کا ایسا ماخذ ہے جو مستقبل میں امت مسلمہ کے لئے رہنما بنا رہے گا ۔ وہ اس یقین کے حامل تھے کہ اس معاملے میں ذراسی بے احتیاطی بھی انہیں ہمیشہ کے لئے دوزخ کی آگ میں دھکیل دے گی ۔ لہٰذا احادیث کی روایت میں ان کا احساس ذمہ داری اس عام اخباری رپورٹر کی نسبت بہت بلند تھا جو سربراہ ملک کے کسی واقعے کی رپورٹنگ کرتا ہے ۔

۲ ۔ کسی رپورٹر کی اپنے بیان کردہ واقعات میں دلچسپی اور ان واقعات کا ٹھیک طور پر سمجھنا بھی ایک ایسا اہم عنصر ہے جو بیان کی صداقت پر اثرانداز ہوتا ہے ۔ اگر راوی اپنے بیان میں لاپرواہ ہے اور اس سے بے رخی اور بے اعتنائی برتتا ہے تو اس کی یادداشت پر یا اس پر مبنی نتائج پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر راوی نہ صرف ایماندار ' سنجیدہ اور ذہین ہے بلکہ اپنی روایت میں دلچسپی رکھتاہے اور بھرپور طریقے سے اس میں شریک ہوتا ہے تو اس کی روایت باآسانی اعتماد حاصل کر سکتی ہے ۔

اگر کسی عدالت میں کوئی کارروائی جاری ہو تو اس کارروائی کی رپورٹیں مختلف نوعیتوں کی ہو سکتی ہیں ۔ ایک عام آدمی جو بحث کے دوران اتفاق سے حاضرین میں موجود ہو اپنے مشاہدات کے مطابق رپورٹ تیار کرے گا ۔ اسے نہ تو کارروائی میں کسی قسم کی دلچسپی ہوتی ہے اور نہ وہ اتنا علم و فہم رکھتا ہے کہ متعلقہ قانونی معاملات کو پوری طرح سمجھ سکے ۔ وہ تو ایک عمومی اور مبہم خاکہ بناتا ہے اور اسی کو تیسرے آدمی تک پہنچا دیتا ہے ۔ اس قسم کی خبر نہ تو بھروسے کے قابل ہوتی ہے اور نہ ہی اسے عدالتی کارروائی کا مستند بیان مانا جا سکتا ہے ۔ اس روایت میں بے شمار اغلاط ہو سکتی ہیں کیونکہ راوی اس بات کی اہلیت ہی نہیں رکھتا کہ معاملات کا مکمل طور پر ادراک کر سکے اور ان کی صحت کے بارے میں ذمہ داری برت سکے ۔ ایسا رپورٹر نہ صرف یہ کہ رپورٹنگ میں غلطیاں کرے گا بلکہ کچھ مدت کے بعد عدالتی کارروائی یکسر بھول بھی جائے گا ۔

اب فرض کیجئے کہ اسی عدالت میں چند اخبار نویس بھی اپنے اپنے اخبارات میں رپورٹنگ کے لئے کارروائی کا مشاہدہ کر رہے ہیں ۔ یہ لوگ پہلے آدمی کی نسبت عدالتی کارروائی کی زیادہ معلومات اور فہم رکھتے ہیں ۔ لیکن اس دلچسپی کے باوجود وہ کارروائی کے ذیل میں خالص فنی اور قانونی نکات سے پوری طرح واقف نہیں ہو سکتے ۔ چنانچہ ان کی رپورٹ بھی عدالتی کارروائی کے سلسلے میں قانونی پہلو سے ناقص رہے گی اور ان کی دلچسپی اور اچھی یادداشت کے باوجود اس پر مکمل طور سے بھروسہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ قانونی معاملات سمجھنے کے اہل ہی نہیں تھے ۔

ایک تیسری رپورٹ ان قانون دان حضرات کی ہو سکتی ہے جو نہ صرف عدالتی کارروائی میں موجود تھے بلکہ بذات خود اس میں شریک بھی تھے ۔ وہ بار میں

ہونے والی بحث اور اس مقدمہ کے بارے میں دلائل کے تبادلے میں حصہ لیتے رہے تھے اور متعلقہ قانونی نزاکتوں سے پوری طرح باخبر تھے ۔ دیگر قانون دان حضرات اور جج کی جانب سے ادا شدہ ہر ہر جملہ انہوں نے سنا اور سمجھا تھا ' ظاہر ہے کہ ان قانون دانوں کی طرف سے عدالتی کارروائی کی کوئی رپورٹ مستند ترین ہوگی ۔ مقدمے کی مکمل فہم اور آگہی کی بنا پر وہ نہ تو کوئی بات بھول سکتے ہیں اور نہ ہی عدالتی کارروائی کا ذکر کرتے ہوئے اہم اور بنیادی حصوں میں غلطی کے مرتکب ہو سکتے ہیں ۔

فرض کیجئے کہ مذکورہ تمام قسم کے راویوں کی قوت حافظہ یکساں ہے لیکن اس کے باوجود انکی جانب سے بیان کردہ حقائق کی صحت مختلف درجوں کی ہوگی ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کہ کسی روایت میں راوی کی اس واقعے سے ذاتی دلچسپی اور حقائق کا فہم و ادراک اس کی یادداشت کو زیادہ مؤثر اور صحیح تر بنانے میں کتنا اہم کردار ادا کرتے ہیں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات.اور افعال حتیٰ کہ اشارات تک سے آپ کے صحابہ کرام کی گہری وابستگی کسی شک و شبہے سے مبرا ہے ۔ آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کی مکمل فہم ' اس کے پس منظر کا انتہائی قریبی مشاہدہ اور ان حالات کا صحیح ادراک جس میں آپؐ نے کچھ فرمایا یا عمل کیا ' یہ سب باتیں صحابہ کرام کی ایسی خصوصیات ہیں جن میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے ۔ لہٰذا وہ تمام عناصر جو کسی یادداشت کو متحرک بنا سکتے ہیں ان کے معاملے میں یکجا ہو گئے تھے ۔

یہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ قوت حافظہ کا وہ معیار جو کسی روایت کے مستند ہونے کے لیے ضروری ہے کوئی ایسا مبہم تصور نہیں ہے جس کے لیے

مخصوص اصول و شرائط وضع نہ کیے گئے ہوں ۔ محدثین کرام نے ایسے کڑے اور سخت اصول پیش کیے ہیں جن کی کسوٹی پر ہر راوی کی یادداشت پرکھی جا سکے ۔ جب تک کوئی راوی حدیث ان مخصوص معیارات کا حامل نہ ہو اس کی روایات ناقابل اعتماد قرار پاتی ہیں ۔

کسی بات کو سرسری طور پر یاد کر لینے اور اچھی طرح ذہن نشین کر لینے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے ۔ بعض اوقات چلتے چلاتے اتفاق سے کوئی بات علم میں آتی ہے اور آدمی اسے یاد رکھنے کا قصد بھی نہیں کرتا ۔ ظاہر ہے کہ ایسے واقعات بہت جلد ذہن سے محو ہو جاتے ہیں ۔ جب کہ دوسری طرف اگر کوئی آدمی بے تابی کے ساتھ کسی بات کو پا لینے کا متمنی ہو اور ایک خاص مقصد کے تحت اسے بار بار دھرا کر ذہن نشین کر لے تو یہ صورت پہلی صورت سے بالکل مختلف ہو گی اور وہ بات تمام تر جزئیات کے ساتھ **حافظے** میں محفوظ ہو جائے گی ۔

طالب علمی کے دور میں میرے عربی کے استاد نے مجھے بے شمار باتیں بتلائیں تھیں جو آج میرے ذہن میں نہیں ہیں لیکن وہ ذخیرہ الفاظ جو میں نے اپنے استاد سے حاصل کیا میرے **حافظے** میں موجود ہے ۔ وجہ ظاہر ہے ۔ میں نے اول الذکر کو یاد رکھنے کو کوشش ہی نہیں کی جبکہ مؤخر الذکر کو زبانی یاد رکھنے اور محفوظ کر لینے کے لیے پوری محنت سے کام لیا ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب نے آپ ؐ کے ارشادات محض اتفاق سے نہیں سن لیے تھے اور نہ وہ ان کو ذہن نشین کر لینے مین غیر محتاط اور لاپرواہ تھے بلکہ اس کے برعکس وہ روزانہ کچھ وقت آپ ؐ کے ارشادات کو زبانی یاد کرنے میں صرف کیا کرتے تھے ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مثال پہلے پیش کی جا چکی ہے آپ ؓ رات کا تہائی حصہ ان احادیث کو دہرانے میں صرف

کرتے تھے جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سیکھی تھیں۔

چنانچہ یادداشت حفاظت حدیث کا کوئی کمزور ماخذ قطعاً نہیں ہے جیسا کہ بسا اوقات ان حضرات کو گمان ہو جاتا ہے جو علم حدیث اور اس کی سائنس سے ناواقف ہیں ۔ اسے اس کے صحیح مقام پر پرکھنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ مستند راویوں کی روایات حفاظت حدیث کے معاملے میں حدیث کی کتابی تدوین سے کم قابل اعتماد ذریعہ ہرگز نہیں ہیں ۔

۲۔ مذاکرے

حفاظت حدیث کا دوسرا مصدر و ماخذ صحابہ کرامؓ کے باہمی مذاکرے تھے ۔ انہیں جب بھی کسی نئی سنت کے بارے میں علم ہوتا وہ اسے بیان کر کے دوسروں تک پہنچاتے ۔ چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ایک دوسرے کو آگاہ فرماتے رہتے تھے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کیا سیکھا ہے اور یہ طریقہ کار درحقیقت خود رسالت ماب بنی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی کی چند خصوصی ہدایات کی تعمیل پر مبنی تھا ۔ ان ارشادات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں ۔

لیبلّغ الشّاھد الغائبَ

" وہ لوگ جو موجود ہیں (میری سنت) ان تک پہنچا دیں جو غیر حاضر ہیں ۔ " [۱]

بلّغوا عنّی ولو آیۃ

" دوسروں تک میری باتیں پہنچاؤ ، خواہ وہ ایک جملہ ہی کیوں نہ ہو ۔ " [۲]

۱۔ صحیح البخاری کتاب المناسک باب خطبۃ ایام منیٰ

۲۔ صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب ماذکر عن بنی اسرائیل

نضّر الله امرأ سمعَ منّا حديثا فحفِظَه حتّى يبلغه غيره

" اللہ تعالیٰ اس شخص کو شاداب فرمائے جو میری احادیث سنتا ہے پھر اسے زبانی کرلیتا ہے ۔ حتی کہ وہ انہیں دوسروں تک پہنچا دے ۔ " ۔ ۱

تسمعون ويُسمَع منكم، ويسمع ممّن يسمع منكم

" تم (میری باتیں) سن لو اور دوسرے تم سے سنیں گے پھر ان سے اور (لوگ) سنیں گے ۔ " ۔ ۲

ما أفادَ المسلم أخاه فائدة أحسن من حديث حسن بلغه فبلّغه

" کوئی مسلمان اپنے بھائی کو اس سے زیادہ فائدہ نہیں پہنچا سکتا کہ خود کو حاصل ہونے والی ایک اچھی حدیث اسے پہنچا دے ۔ " ۔ ۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے یہ ارشادات و ہدایات اس امر کے لیے بہت کافی تھے کہ آپ ؐ کے صحابہ کرام ؓ میں علم حدیث حاصل کرنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کی آتش شوق بھڑکا دیں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہ کرام ؓ کو اپنی مجلسوں میں احادیث کا مباحثہ و مذاکرہ کرنے کی بھی ترغیب دی ہے ۔ مطالعہ حدیث کے اس طریقے کے لیے " تدارس " کا لفظ استعمال ہوتا تھا ۔ جس کے معنی ہیں " ایک دوسرے کو تعلیم دینا " اس طریقے میں ایک فرد کوئی خاص حدیث دوسرے سے

---

۱ ۔ جامع الترمذی کتاب العلم ۲۶۵۸ وسنن ابی داؤد حدیث ۳۶۶۰

۲ ۔ سنن ابی داؤد کتاب العلم باب فضل نشر العلم حدیث ۳۶۵۹

۳ ۔ جامع بیان العلم (لابن عبدالبر ص ۴۳ ج ۱)

بیان کرتا اور دوسرا فرد اپنی باری پر پھر پہلے فرد سے وہی حدیث بیان کرتا۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ حدیث مبارک کو صحیح طریقے سے اچھی طرح یاد کر لیا جائے۔ ہر ایک فرد دوسروں کے بیان کو غور سے سنتا اور غلطی کی صورت میں اس کی درستگی کرلیتا۔ اس "تدارس" کا نتیجہ یہ تھا کہ احادیث پختہ طریقے سے ذہن نشین ہو جاتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "تدارس" کے اس بیان کردہ طریقے کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پوری رات کی انفرادی عبادت سے افضل قرار دیا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے۔

تدارُسُ العلم ساعة من الليل خير من إحيائها

"رات کے وقت "تدارس" علم کا مختصر سا وقت بھی پوری رات کی عبادت سے بہتر ہے۔" [۲]

اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات سے بھی خبردار کیا ہے کہ پوچھے جانے پر بھی علم کا کوئی حرف چھپا لینا ایک بڑا گناہ ہے۔

من سُئلَ علما يعلمُه فكتمه ألجم بلجام من نار

"جس کسی سے ایسے علم کے بارے میں پوچھا گیا جو اسے حاصل تھا اور پھر ابھی اس نے اس علم کو چھپائے رکھا تو اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔" [۳]

ایک اور موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک ارشاد

۱ــ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں "علم" کا لفظ قرآن و حدیث اور ان کے متعلقہ علوم کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

۲ــ جامع بیان العلم لابن عبدالبر ۳ــ جامع الترمذی کتاب العلم حدیث ۲۶۵۱

فرمایا ہے کہ علم کا چھپانا بذات خود ایک بہت بڑا گناہ ہے خواہ اس علم رکھنے والے سے پوچھا جائے یا نہیں۔ آپؐ کا ارشاد ہے۔

من کتمَ علما ینتفع به جاء یوم القیامة ملجما بلجام من نار

"جو کوئی علم کو چھپاتا ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ تو وہ قیامت کے دن اس حال میں لایا جائے گا کہ اس کے منہ میں آگ کی لگام ہوگی۔"

یہ حدیث اس بات کو صاف کر دیتی ہے کہ علم دوسروں تک پہنچانا ہر ذی علم کا لازمی فریضہ ہے خواہ اس کے بارے میں اس سے کوئی سوال پوچھا گیا ہو یا نہیں۔

چونکہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں میں حدیث علم کی اعلیٰ ترین شاخ تھی لہٰذا وہ اسے اپنے لیے اولین اور لازمی فریضہ تصور کرتے تھے کہ سنت کے بارے میں اپنا علم دوسروں تک منتقل کریں۔

لہٰذا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا پسندیدہ ترین مشغلہ یہی تھا کہ جب کبھی وہ باہم یکجا ہوتے تو بے کار باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے آپؐ کے ارشادات و افعال کا تذکرہ کرتے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے علم کے بارے میں بتلاتا جب کہ دوسرے توجہ سے سن کر ذہن نشین کرتے۔

ان مسلسل اور متواتر مذاکروں نے سنت کی حفاظت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہی مباحثوں کی بدولت جو احادیث شریف محض چند افراد تک محدود تھیں، وہ بھی دوسروں تک پہنچ گئیں اور راویوں کا دائرہ بتدریج پھیلتا چلا گیا۔ چونکہ یہ مذاکرے اس دور میں کیے گئے تھے جبکہ خود رسالت مآب نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم صحابہ کرامؓ کے درمیان موجود تھے لہٰذا ان کے لیے اس بات کے مکمل مواقع موجود تھے کہ وہ " تدارس " کے اس طریقے سے معلوم ہونے والی کسی بات کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تصدیق کرلیں اور کئی ایک صحابہ کرامؓ نے اس پر عمل بھی کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم حدیث صحابہؓ میں وسیع تر بنیادوں پر متعارف ہو گیا جس سے نہ صرف سنت کے فروغ میں مدد ملی بلکہ راویوں کی اغلاط کے لیے جانچ پڑتال کی بھی بنیاد پڑگئی کیونکہ اگر کوئی کسی حدیث مبارک کا کوئی حصہ بھول جاتا تو اس خلاء کو پر کرنے اور غلطی کی درستگی کے لیے دوسرے افراد موجود تھے۔

۳۔ تعامل

سنت کی حفاظت کا تیسرا راستہ یہ تھا کہ اس پر عمل کیا جائے۔

سنت کا علم محض کوئی نظریاتی علم نہیں تھا اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات محض فلسفیانہ نوعیت کی تھیں بلکہ ان کا تعلق تو عملی زندگی سے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات اقدس کو محض نصائح اور مواعظ بیان کر دینے تک محدود نہیں رکھا تھا بلکہ اپنے صحابہ کرامؓ کو عملاً تربیت دی تھی۔ صحابہ کرامؓ نے جو کچھ آپؐ سے حاصل کیا اسے عملاً جاری وساری کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کے اس قدر مشتاق تھے کہ انہوں نے آپؐ کی ذاتی عادات اور پسند و ناپسند تک کو اپنا لینے کی بھرپور سعی کی ہے۔

چنانچہ اس وقت کی مجموعی فضا ہی سنت کے اتباع کی فضا تھی اور سنت محض کسی زبانی کلامی بیان کا نام نہیں تھا بلکہ یہ ایسا اجتماعی طرز عمل اور طریقہ حیات تھا جو معاشرے کے رگ و ریشے میں خوشبو کی طرح بس چکا تھا اور زندگی

کے ہر پہلو اور ہر معاملے میں اپنا وجود ثابت کرتا تھا

اگر ریاضی کا کوئی طالب علم محض فارمولوں کو زبانی رٹ کر اپنے آپ کو اسی حد تک محدود کرلے تو ایک معتدبہ مدت کے بعد اس کے بھول جانے کا امکان بہت زیادہ ہے ۔ لیکن اگر وہ ان فارمولوں کو عملی شکل دے کر دن میں دس بار مشق کرتا رہے تو کبھی ایسا نہ ہو گا کہ اس کا ذہن یہ فارمولے فراموش کر دے ۔

اسی طرح سنت صحابہ کرامؓ کے لیے محض کوئی زبانی مشق نہیں تھی بلکہ انہوں نے اس کو طرز زندگی کے طور پر اپنایا تھا اور یہی ان کی تمام تر کاوشوں اور جدوجہد حیات کا بنیادی محور تھا ۔ کیسے ممکن تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو بھول جاتے جب کہ انہوں نے اپنی زندگیوں کی عمارت اسی بنیاد پر استوار کی تھی ۔

چنانچہ احادیث شریف کی مسلسل عملی مشق ایک اور ایسا بڑا عنصر رہا ہے جس نے سنت کی حفاظت اور فروغ میں اہم کردار ادا کیا اور اسے ایسے بیرونی عناصر سے بچائے رکھا جو اسے مسخ کر دینے کے درپے تھے ۔

کتابت

احادیث شریف کی حفاظت کا چوتھا راستہ کتابت حدیث تھا ۔ بے شمار صحابہ کرامؓ ایسے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث کی سماعت کے بعد انہیں تحریری طور پر محفوظ کر لیا تھا ۔

اگرچہ یہ بات درست ہے کہ ابتدا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چند اصحاب کو قرآن کریم کی آیات کریمہ کے سوا کوئی اور چیز تحریر کرنے

سے منع فرمایا تھا لیکن اس ممانعت سے احادیث کی حجیت کا انکار مقصود نہیں تھا ۔ بلکہ اسی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں احادیث کی زبانی روایت کا حکم دیا ہے ۔ متعلقہ حدیث کا مکمل متن اس طرح ہے ۔

لا تکتبوا عنّی، ومن کتبَ عنّی غیر القرآن فلیمحه، حدّثوا عنّی ولا حرج، ومن کذب علیّ متعمّدا فلیتبوّأ مقعده من النّار

" مجھ سے (سن کر) کتابت مت کرو اور جس کسی نے قرآن کریم کے سوا مجھ سے سن کر کچھ لکھا ہو وہ اسے مٹا دے ۔ مجھ سے (سن کر) دوسروں تک پہنچاؤ اس میں کوئی حرج نہیں ہے ۔ اور جو کوئی جانتے بوجھتے میری جانب جھوٹ منسوب کرتا ہے اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنا لے ۔ " [1]

حدیث کے نمایاں الفاظ واضح کرتے ہیں کہ کتابت کی ممانعت کا مطلب حدیث کی حجیت کا انکار نہیں ہے ۔ صحیح بات یہ ہے کہ قرآن کریم کے نزول کی ابتدا میں صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم کی آیات کریمہ کے ساتھ ہی احادیث شریف لکھنا شروع کر دیں ۔ قرآن کریم کی تفسیر و تشریح سے متعلق آنحضرتؐ کے ارشادات بھی چند حضرات کی تحریر میں انہیں آیات کریمہ کے ساتھ کسی امتیاز کے بغیر یکجا ہو گئے ۔ چنانچہ اس بات کا خطرہ ہوا کہ مال کار یہ طریقہ آیات قرآنی اور احادیث شریف کو خلط ملط کر دے گا ۔

یہی وہ پس منظر ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس

---

[1] صحیح مسلم جلد دوم صفحہ ۴۱۴

طریقہ کار کو منع فرما دیا اور حکم دیا کہ قرآنی آیات کے علاوہ اگر کوئی چیز لکھی گئی ہو تو وہ مٹا دی جائے یا کاٹ دی جائے - یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ یہ وہ دن تھے جب کاغذ کی انتہائی قلت تھی - حتی کہ قرانی آیات بھی چمڑے کے ٹکڑوں ، درختوں کی چھالوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر تحریر کی جاتی تھیں - یہ بہت مشکل تھا کہ ان اشیاء کو کتابی شکل میں محفوظ کیا جائے - اور اگر احادیث شریف بھی اسی طرح تحریر کر لی جاتیں تو دونوں تحریروں کے درمیان فرق تلاش کرنا مشکل تر ہو جاتا - اس کے علاوہ قرآنی اسلوب سے پوری طرح آشنا نہ ہونا بھی اس خطرے کو مزید پیچیدہ بنا دیتا -

انہی وجوہات کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ کو کتابت حدیث کی ممانعت اور احادیث کی حفاظت اول الذکر تین طریقوں کے ذریعے کی جانے کی ہدایت فرمائی تھی - کیونکہ یہ ذریعے بھی اتنے ہی قابل اعتماد تھے جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے -

پھر یہ معاملہ بھی آپؐ کی نبوت کے ابتدائی زمانے میں تھا - بعد میں جب صحابہ کرامؓ قرآنی اسلوب سے بخوبی واقف ہو گئے اور کاغذ بھی دستیاب ہونے لگا تو احتیاطاً دیا جانے والا یہ عبوری حکم بھی واپس لے لیا گیا کیونکہ قرآن و حدیث باہم مختلط ہو جانے کا خطرہ بھی اب باقی نہیں رہا تھا -

اس مرحلے پر خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو کتابت حدیث کا حکم دے دیا - اس بارے میں آپؐ کے چند ارشادات درج ذیل ہیں -

۱- انصار میں سے ایک صحابی نے آپؐ سے شکایت بیان کی کہ وہ بعض اوقات آپؐ سے سنی ہوئی احادیث بھول جاتے ہیں - آنحضرتؐ نے فرمایا

استعن بيمينك وأومأ بيده لخط

"اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو اور (یہ فرما کر) آپؐ نے اپنے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ فرمایا۔" [۱]

۲۔ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ جو آنحضرتؐ کے مشہور صحابی ہیں فرماتے ہیں "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ ہم آپ سے بہت سی چیزیں سنتے ہیں کیا ہم انہیں لکھ لیا کریں۔" آپ نے فرمایا

اكتبوا، ولا حرج

"لکھ لیا کرو۔ اس میں کوئی حرج نہیں" [۲]

۳۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ، بیان فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے

قيّدوا العلم بالكتاب

"تحریر کے ذریعے علم کی حفاظت کرو۔" [۳]

۴۔ ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث لکھنے کی اجازت مانگی تو آپؐ نے ایسا کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ [۴]

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی تحریر کردہ احادیث بعض دیگر صحابہ کرامؓ نے بھی نقل کی تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد سلمہ کہتے ہیں

۱۔ جامع الترمذی ص ۱۰۷ ج ۲

۲۔ تدریب الراوی ص ۲۸۶ والمحدث الفاصل ص ۳۶۹

۳۔ جامع بیان العلم لابن عبدالبر ص ۷۲ ج ۱ والمحدث الفاصل ص ۳۶۸

۴۔ جامع الترمذی ص ۱۰۷ ج ۲

رأيتُ عبد الله بن عبّاس معه ألواح يكتُب عليها عن أبی رافع شيئا من فعل رسول الله ﷺ

"میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس کچھ تختیاں دیکھیں۔ وہ ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کچھ افعال کی احادیث لکھ رہے تھے جو انہوں نے حضرت ابو رافعؓ سے حاصل کی تھیں۔" ۱۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان سے فرمایا

قيّدوا العلم

"علم محفوظ کر لو"

انہوں نے دریافت کیا کہ اسے کس طرح محفوظ کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جواب میں فرمایا "لکھ کر" ۲۔

ایک اور روایت میں وہ فرماتے ہیں۔

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور آپؐ سے کہا "میں چاہتا ہوں کہ آپؐ کی احادیث روایت کروں لہٰذا میں اس معاملے میں اپنے دل کے علاوہ اپنی تحریر سے بھی مدد لینا چاہتا ہوں۔ کیا آپ اس بات کو میرے لیے مناسب سمجھتے ہیں؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ

۱۔ طبقات بن سعد ۳۷۱ ج ۲

۲۔ قلت و ماتقييده ؟ قال كتابته (مستدرک الحاکم ص ۱۰۶ ج ۱۔ جامع بیان العلم ص ۷۳ ج ۱

وآلہ وسلم نے جواب دیا " اگر یہ معاملہ میری احادیث کا ہے
تو تم اپنے دل کے علاوہ ہاتھ سے بھی مدد لے سکتے ہو " ۱؎

۶ ۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عبد اللہؓ بن عمرو بن العاص اکثر احادیث تحریر فرمایا
کرتے تھے ۔ وہ خود بیان کرتے ہیں ۔

كنت أكتب كلّ شئ أسمعه من رسول الله ﷺ
وأريد حفظه، فنهتني قريش، وقالوا: أتكتب كلّ شئ
تسمعه من رسول الله ﷺ وإنما هو بشر يغضَب كما
يغضَب البشر.

" میں جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنتا
اسے لکھ لیا کرتا تھا اور اسے زبانی یاد کرنا چاہتا تھا ۔ قریش
کے چند افراد نے مجھے اس سے منع کیا اور کہا کہ کیا تم جو کچھ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنتے ہو اسے لکھ لیتے
ہو ؟ حالانکہ آپؐ بشر ہیں اور کبھی غصے میں بھی ہو سکتے ہیں
جیسا کہ کسی بشر کو غصہ آسکتا ہے ۔"

اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے
غصے کی کیفیت میں ایسی بات صادر ہو سکتی ہے جو آپ کی حقیقتاً مراد نہ ہو ۔ لہٰذا
آپؐ کی احادیث کی کتاب میں اس کی احتیاط ضروری ہے ۔ حضرت عبداللہ بن
عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ رائے آنحضرتؐ تک پہنچائی ۔ جواب
میں آپ نے اپنے مبارک ہونٹوں کی جانب اشارہ کیا اور فرمایا ۔

۱؎ سنن الدارمی ، باب ۴۳ ص ۱۰۴ ج ۱

والذي نفس محمد بيده ما يخرج مما بينهما إلا حق،
فاكتب

"میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے ہاتھوں میں محمد کی
جان ہے، ان دونوں (ہونٹوں) سے حق کے سوا کچھ نہیں
نکلتا چنانچہ لکھو۔" ۱۰

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے واضح اور مکمل حکم تھا
کہ آپؐ کا ہر ہر ارشاد اس کی حجیت کے بارے میں کسی تذبذب اور شک کے
بغیر لکھا جائے۔

اس حکم کی تعمیل میں حضرت عبداللہ بن عمرو نے احادیث کی ایک کثیر
تعداد تحریر فرمائی ہے اور انہیں ایک کتاب میں جمع کیا جس کا نام انہوں نے "
الصحیفہ الصادقہ" رکھا۔ اس کتاب کی کچھ تفصیلات انشاء اللہ آگے ذکر کی جائیں
گی۔

۷۔ مکہ کی فتح کے دوران (۸۔ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
ایک تفصیلی خطبہ ارشاد فرمایا جس میں انسانی حقوق پر مشتمل کئی اوامر شریعت
شامل تھے۔ مجمع میں سے ایک یمنی شخص جس کا نام ابو شاہ تھا، آنحضرت صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ یہ خطبہ اسے تحریری شکل میں مہیا کر دیا
جائے۔ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ کو اس
طرح ہدایت فرمائی۔

---

۱۰ سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۵۱۳ وطبقات ابن سعد ج ۴ ص ۲۶۲ و مستدرک الحاکم ج ۱ ص
۱۰۵، ۱۰۶

اکتبوا لأبی شاہ

"ابو شاہ کے لیے تحریر کرو" [۱۰۰]

یہ سات مثالیں اس بات کے ثبوت کے لیے بہت کافی ہیں کہ احادیث کی کتابت اور تحریر کی نہ صرف یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اجازت دی گئی تھی بلکہ حکم دیا گیا تھا۔ نیز یہ کہ کتابت پر ابتدائی ممانعت محض ایک عبوری دور کے لیے تھی تاکہ آیات قرآنی اور احادیث کے باہم مختلط ہو جانے کے ممکنہ خطرے سے بچا جا سکے۔ اس وقتی دور کے بعد جب یہ ممکنہ خطرہ باقی نہ رہا تو ممانعت اٹھا لی گئی اور صحابہ کرامؓ کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ احادیث مبارکہ کو تحریری شکل میں محفوظ کریں۔

۱۰۰۔ صحیح بخاری کتاب العلم، باب کتابۃ العلم ص ۲۲ ج ۱

باب نمبر 5

تاریخ تدوین حدیث

عہد رسالت میں احادیث کی تدوین

اوپر ہم نے ان مختلف طریقوں کے بارے میں گفتگو کی ہے جو صحابہ کرامؓ نے احادیث کو محفوظ کرنے کی غرض سے اختیار کئے ۔ ان ذریعوں کا ایک معروضی مطالعہ یہ ثابت کر دیتا ہے کہ اگرچہ "کتابت حدیث" تنہا ایک ہی ایسا طریقہ نہ تھا جو حفاظت حدیث کے لیے اختیار کیا گیا ہو ، لیکن اس کے باوجود اس کی اہمیت کسی بھی مرحلے پر نظرانداز نہیں کی گئی ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشادات کے مطابق اور انہی کے اثر سے صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد احادیث تحریری صورت میں محفوظ کرنے کی عادی تھی ۔

جب ہم تدوین حدیث کے سلسلے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی انفرادی کوششوں کو دیکھتے ہیں تو یہ بدیہی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور خلفائے اربعہ کے عہد میں ہی ہزاروں احادیث تحریر کی جا چکی تھیں ۔ ان تمام کاوشوں کی مکمل اور جامع تفصیل پیش کرنا یہاں ممکن نہیں ہے کیونکہ اس کے لیے ایک علیحدہ اور ضخیم کتاب کی ضرورت ہو گی جو فی الحال ہمارے دائرہ کار سے باہر ہے ۔ بہرحال کچھ نمایاں اور اہم کاوشوں کا مختصر طور پر ذکر کرنا ضروری ہے جو تدوین حدیث کے سلسلے میں اس ابتدائی عہد میں انجام دی گئیں ۔ اس سے کم از کم اس غلط فہمی کے ازالے میں مدد مل سکے گی کہ احادیث ابتدائی صدیوں کے دوران مدون نہیں ہوئی تھیں ۔

آنحضرتؐ کی ہدایت پر محفوظ کردہ احادیث

سب سے پہلے اس جانب توجہ سود مند ہو گی کہ احادیث کی ایک معتدبہ تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی املا کروائی ہوئی اور یا پھر آپؐ کی ہدایت پر تحریری شکل میں محفوظ کی گئی تھی ۔ اس کی چند مثالیں یہاں پیش خدمت ہیں ۔

کتاب الصدقہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فریضہ زکوٰۃ سے متعلق شریعت کے احکام ایک دستاویز میں تفصیلی طور پر املا کروائے تھے جس میں مختلف قسم کے قابل زکوٰۃ اموال پر زکوٰۃ کی شرح اور مقدار تفصیل سے ذکر کی گئی تھی ۔

اس دستاویز کو "کتاب الصدقہ" کہتے ہیں ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔

> كتبَ رسول الله ﷺ كتاب الصدقة فلم يخرجه إلى عمّاله حتّى قبض، فقرنه بسيفه فلمّا قبض عمل به أبو بكر حتى قبض، وعمِلَ به حتى قبض، وكان فيه: فى خمس من الإبل شاة
>
> " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "کتاب الصدقہ" لکھوائی اور ابھی اپنے گورنروں کو بھیجنے نہ پائے تھے کہ آپؐ کا وصال ہو گیا ۔ آپؐ نے اسے اپنی تلوار کے ساتھ منسلک کر لیا تھا پھر جب آپؐ کا وصال ہو گیا تو حضرت ابوبکرؓ نے اس پر عمل کیا حتیٰ کہ ان کا بھی انتقال ہو گیا ، پھر حضرت عمرؓ

نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ ان کا بھی انتقال ہو گیا '
کتاب میں یہ ذکر کیا گیا تھا کہ پانچ اونٹوں پر ایک بکری قابل
زکوۃ ہے۔" [۱۰]

یہ دستاویز احادیث کی متفرق کتب مثلاً سنن ابو داؤد میں موجود ہے۔ مشہور محدث امام زھری اپنے شاگردوں کو یہ کتاب سبقا پڑھایا کرتے تھے۔ آپ کہا کرتے تھے۔

"یہ اس دستاویز کا متن ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات (زکوۃ) کے متعلق املا کرائی تھی۔ اس کا اصل مخطوطہ سیدنا عمرؓ کے صاحبزادوں کے پاس ہے۔ حضرت عمرؓ کے پوتے سالمؒ نے مجھے اس کی تعلیم دی تھی۔ میں نے اسے زبانی یاد کر لیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت عمر کے پوتوں سالمؒ اور عبداللہؒ سے اس کی ایک نقل حاصل کی تھی اور میرے پاس وہی نقل ہے۔"

صحیفہ حضرت عمرو بن حزامؓ

۱۰ھ میں جب مسلمانوں نے نجران فتح کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی حضرت عمرو بن حزامؓ کو یمن کا گورنر مقرر فرمایا۔ اس موقع پر آپؐ نے ابی بن کعبؓ کو ایک تفصیلی کتاب لکھوائی اور اسے حضرت عمرو بن حزام کے سپرد کیا۔

چند عمومی نصائح کے علاوہ اس کتاب میں طہارت، نماز، زکوۃ، عشر، حج،

۱۰۔ جامع الترمذی ابواب الزکوۃ، باب ماجاء فی زکوۃ الابل ص ۱۳۵

عمرہ ، جہاد ، مال غنیمت ، ٹیکس ، دیت ، انتظامی اور تعلیمی امور وغیرہ جیسے موضوعات سے متعلق احکام شریعت مذکور تھے ۔ سیدنا عمرو بن حزامؓ نے یمن کے گورنر کے طور پر اپنے فرائض اس کتاب کی روشنی میں بحسن خوبی انجام دیئے ۔ ان کے انتقال کے بعد یہ دستاویز ان کے پوتے ابوبکر کے پاس رہی ۔ امام زھریؒ نے یہ مسودہ انہی سے پڑھا اور نقل کیا ، امام زھریؒ اپنے شاگردوں کو بھی اس کی تعلیم دیا کرتے تھے ۔ ۱۰

دیگر گورنروں کو تحریری ھدایات

اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب میں سے مختلف حضرات کو صوبوں کے گورنر نامزد فرماتے تو اسی قسم کی دستاویزات لکھوایا کرتے تاکہ اس کی ہدایات کے مطابق وہ بطور حاکم یا قاضی اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے عہدہ برآ ہو سکیں ۔ جب آپ ؐ نے حضرت ابوھریرہؓ اور حضرت علاء بن حضرمیؓ کو اپنا سفیر مقرر فرما کر ھجر کے زرتشتی مذہب کے لوگوں کی جانب بھیجا تو انہیں ہدایات لکھوائیں جن میں زکوٰۃ اور عشر کے بارے میں مختلف احکام شریعت بتلائے گئے تھے ۔

اسی طرح حضرت معاذ بن جبل اور مالک بن مرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو آپ ؐ نے یمن بھیجا تو انہیں ایک دستاویز بھی عنایت فرمائی جس میں آپ نے احکام شریعت لکھوائے تھے ۔

مختلف وفود کو تحریری ہدایات

مدینہ سے دور دراز علاقوں میں بسنے والے مختلف عرب قبائل اسلام قبول

۱۰ ۔ اس کتاب کے متفرق حصے احادیث کے مجموعوں میں دستیاب ہیں مکمل متن کے لیے ملاحظہ فرمائیں ۔ الوثائق السیاسیۃ فی الاسلام ڈاکٹر حمید اللہ ص ۱۰۴ ۔ ۱۰۹

کر لینے کے بعد اپنے وفود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا کرتے تھے ۔ یہ وفود مدینہ منورہ میں ایک معتدبہ مدت کے لیے قیام پذیر رہتے اور اس دوران تعلیمات اسلام سیکھتے ، قرآن پاک پڑھتے اور آنحضرتؐ کے ارشادات سنا کرتے ۔ اپنے وطن واپسی پر ان میں سے کئی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کے لیے اور ان کے قبیلوں کے لیے کچھ ہدایات لکھوا دیں ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ درخواست قبول فرما لیا کرتے اور ایسے معاملات کے بارے میں احکام شریعت پر مشتمل ہدایات لکھوا دیتے جو ان کے لیے زیادہ ضروری ہوتے ۔

۱۔ سیدنا وائل بن حجرؓ یمن سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور وطن واپسی سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی

اکتُبْ لی إلی قومی کِتابا

" میرے لیے ایک کتاب لکھوا دیجئے جس میں میرے قبیلے سے خطاب ہو "

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین دستاویزات لکھوائیں ان میں سے ایک سیدنا وائل بن حجرؓ کے ذاتی مسائل کے بارے میں تھی جب کہ دوسری دو دستاویزات نماز ، زکوٰۃ ، ممانعت شراب ، عشر اور دیگر امور کے بارے میں احکام شریعت پر مشتمل تھیں ۔ [۱۰]

۲۔ منقذ بن حیان جو عبدالقیس قبیلے کے ایک فرد تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اسلام قبول کر لیا وطن واپسی پر نبی کریم صلی اللہ

---

۱۰ طبقات ابن سعد ص ۲۸ ج ۱ ، والوثائق السیاسیۃ رقم ۱۳۱ ص ۱۳۰ ، ۱۲۶

علیہ و آلہ وسلم نے انہیں ایک دستاویز عطا کی جسے وہ اپنے قبیلے میں لے آئے مگر ابتدا میں کسی پر اسے ظاہر نہیں کیا۔ پھر جب ان کی کوششوں سے ان کے سسر نے اسلام قبول کرلیا تو حضرت منقذ بن حیانؓ نے یہ کاغذ ان کے حوالے کر دیا جنہوں نے اسے قبیلے کے سامنے پڑھ کر سنایا جس کے نتیجے میں پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ عبدالقیس کا مشہور وفد اسی واقعے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ تفصیلی روایات بخاری اور مسلم میں موجود ہیں۔ ۱

۳۔ قبیلہ غامد کا وفد خدمت اقدسؐ میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا۔ آنحضرت نے انہیں سیدنا ابی بن کعبؓ کے پاس بھیج دیا جنہوں نے ان لوگوں کو قرآن کریم سکھایا اور

وكتبَ لهم رسول الله ﷺ كتابا فيه شرائع الإسلام

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک کتاب لکھوائی جس مین احکامات شریعت مذکور تھے۔" ۲

۴۔ قبیلہ خثعم کا وفد آپؐ کے پاس حاضر ہوا۔ ابن سعد ان کی آمد کے سلسلے میں قوی راویوں کے ذریعے درج ذیل روایت ذکر کرتے ہیں۔

فقالوا آمنا بالله ورسوله وما جاء من عند الله فاكتب لنا كتابا نتّبع ما فيه، فكتب لهم كتابا شهد فيه جرير بن عبد الله ومَن حضَرَ

"انہوں نے کہا ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کے نبی پر اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے لہٰذا ہمارے لیے

۱۔ المرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۸۸ ج ۱، وشرح النووی ص ۳۳ ج ۱

۲۔ طبقات ابن سعد ص ۳۴۵ ج ۱

ایک کتاب لکھوا دیجئے جس کی ہم پیروی کر سکیں ۔ آنحضرت ؐ
نے ان کے لیے دستاویز لکھ دی ۔ جابر بن عبداللہ اور دیگر
حاضرین اس کے گواہ تھے ۔" [۱۰]

۵ ۔ "سمالہ" اور "حدان" نامی قبائل کے وفود فتح مکہ کے بعد حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک دستاویز لکھوائی جس میں زکوٰۃ سے متعلق احکام شریعت مندرج تھے ۔ سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اس تحریر کے کاتب اور حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم گواہ تھے ۔ [۲]

۶ ۔ انہی سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے قبیلہ اسلم کے ایک وفد کے لیے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی ایک دستاویز تحریر کی تھی ۔ اس کے گواہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم تھے ۔

یہ محض چند ایک سرسری مثالیں ہیں جو نہ تو جامع حیثیت رکھتی ہیں اور نہ کسی تلاش بسیار کا نتیجہ ہیں ۔ اس قسم کی بہت سی اور مثالیں محض ایک ہی کتاب یعنی طبقات ابن سعد میں مل سکتی ہیں ۔ متعلقہ تمام کتب کی بھرپور تحقیق ایسے کثیر واقعات سامنے لا سکتی ہے جس کے لیے ایک تفصیلی کتاب کی ضرورت ہو گی ۔

پھر یہ تمام مثالیں محض اس قسم کے واقعات سے متعلق ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام اسلام پر مشتمل تحریریں لکھوائیں ۔ آپ ؐ نے مختلف افراد کے سلسلے میں بے شمار سرکاری احکام بھی لکھوائے ہیں ۔ کثیر تعداد میں موجود ان احکامات اور دستاویزات کے محض حوالے بھی یہاں اس مختصر

---

۱۰ ۔ طبقات ابن سعد ۳۴۸ ج ۱

۲۰ ۔ طبقات ابن سعد ص ۳۵۳ ج ۱

سی کتاب میں دنیا ممکن نہیں ہے ۔ یہ دستاویزات بھی سنت کا ایک جزو ہیں ، اور اسلامی احکامات کی ایک بڑی تعداد ان سے مستنبط کی گئی ہے ۔ اس موضوع پر جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی تحقیقی کتاب " الوثائق السیاسیۃ " کا مطالعہ مفید ہوگا جس میں انہوں نے ایسی دستاویزات کی ایک بڑی تعداد جمع کر دی ہے ۔ یہ کتاب اس سلسلے میں مزید تفصیل فراہم کر سکے گی ۔

صحابہ کرامؓ اور تدوین حدیث

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو نہ صرف یہ کہ کتابت کی جازت دی تھی بلکہ انہیں اس کی ترغیب دلائی تھی ۔ اس ہدایت کی روشنی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین احادیث تحریر کرنے کے عادی تھے اور کئی ایک صحابہؓ نے یہ تحریریں کتابی شکل میں مدون بھی کی تھیں ۔ ایسی چند مثالیں درج ذیل ہیں ۔

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کے مسودات

یہ بات سب کے علم میں ہے کہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے دیگر اصحاب رسولؐ کی نسبت سب سے زیادہ احادیث شریف روایت کی ہیں ۔ آپؓ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۵۳۷۴ بیان کی جاتی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ قبول اسلام کے بعد انہوں نے اپنی پوری زندگی احادیث کی حفاظت اور نقل کے لیے وقف کر دی تھی ۔ دیگر معروف صحابہؓ کے برعکس حضرت ابوھریرہؓ نے کسی بھی قسم کا ذریعہ معاش اختیار نہیں کیا بلکہ آپؓ مسجد نبوی میں مقیم ہو گئے تھے تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سن سکیں اور گردو پیش میں رونما

ہونے والے حالات اور ہر ہر واقعے کا مشاہدہ کر سکیں ۔ یہ کام معمولی اور آسان نہ تھا ۔ چنانچہ حضرت ابوھریرہؓ کو بھوک پیاس کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں اور فاقوں کے علاوہ دوسرے مشکل امتحانات بھی پیش آتے رہے ۔ لیکن جو راستہ انہوں نے اختیار کر لیا تھا اس سے سرمو نہ ہٹے ۔

اس حقیقت کے ٹھوس شواہد موجود ہیں کہ انہوں نے احادیث تحریری شکل میں محفوظ کی تھیں ۔ ان کے شاگردوں میں سے ایک یعنی حسن ابن عمرو بیان کرتے ہیں کہ :

" حضرت ابوھریرہؓ انہیں اپنے گھر لے گئے اور احادیث نبویؐ پر مشتمل کئی ایک کتابیں دکھائیں ۔ " [۱۰]

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس کئی مسودات احادیث تھے ۔ یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ آپ کے شاگردوں نے آپؐ کی روایات کے کئی مجموعے تیار کئے تھے ۔

مسودہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور خاص احادیث تحریر کرنے کی ہدایت فرمائی تھی ۔ چنانچہ انہوں نے ایک ضخیم مسودہ حدیث تیار کیا تھا جس کا نام " الصحیفتہ الصادقہ " (سچائی کا صحیفہ) رکھا تھا ۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اس مسودے کی حفاظت کا بیحد خیال رکھتے تھے ۔ آپ کے چہیتے شاگرد مجاھدؒ فرماتے ہیں ۔

---

۱۰ جامع بیان العلم ص ۷۴ ج ۱ ، فتح الباری ص ۱۸۴ ج ۱

"میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس گیا اور ایک مسودہ جو
آپ کے تکیے کے نیچے رکھا ہوا تھا اٹھا کر ہاتھ میں لے لیا،
حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مجھے روک دیا میں نے کہا آپ تو
کبھی مجھ سے کچھ نہیں چھپاتے ہیں اس پر آپ نے فرمایا

هذه الصادقة، ما سمعت من رسول الله ﷺ ليس
بيني وبينه أحد. إذا سلمت لي هذه وكتاب الله
والوهط فلا أبالي على ما كانت عليه الدنيا

"یہ صادقہ ہے! یہ وہ کچھ ہے جو میں نے خود رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سنا ہے اور آپ کے اور
میرے درمیان کوئی تیسرا راوی نہیں ہے اگر یہ "کتاب اللہ
اور وھط (آپ کی زرعی زمین) میرے لیے موجود رہیں تو پھر
مجھے باقی دنیا کی کچھ پروا نہیں ہے۔" [1]

یہ مسودہ حضرت عبداللہ بن عمر کے بعد آپ کی اولاد کے پاس رہا۔ آپ
کے پوتے عمروؒ بن شعیب اس کی احادیث کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ یحیٰ بن معین
اور علی بن المدنی فرماتے ہیں کہ عمروؒ بن شعیب کی روایت کردہ ہر حدیث خواہ وہ
کسی بھی کتاب میں ہو اس مسودے میں سے لی گئی ہے۔[2] ابن اثیر کا بیان ہے کہ
اس مسودے میں ایک ہزار احادیث تھیں۔ [3]

۱۔ جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۲، اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۳۳، ۲۳۴

۲۔ تہذیب التہذیب ص ۴۹، ۵۴ ج ۸

۳۔ اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۳۳

مسودہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ کرام میں سے تھے جو لکھنا جانتے تھے ۔ حضرت انسؓ کی والدہ آپ کو اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے آئی تھیں جب حضرت انسؓ کی عمر دس سال تھی ۔ پھر دس سال تک آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے اور اس دوران بے شمار احادیث شریف سننے کا موقعہ ملا ۔ آپ نے یہ احادیث تحریر فرمائی تھیں ۔ آپ کے ایک شاگرد سعید ابن ہلالؒ کہتے ہیں

كنّا إذا أكثرنا على أنس بن مالك رضى الله عنه فأخرج إلينا مجالّ عنده فقال: هذه سمعتها من النبى ﷺ فكتبتها وعرضتها

" جب ہم حضرت انس بن مالکؓ سے بہت اصرار کرتے تو آپ ہمارے پاس کچھ تحریری یادداشتیں لاتے اور فرماتے ! یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیں اور تحریر کر لیں پھر اس کے بعد میں یہ آنحضرتؐ کے سامنے تصدیق کے لیے پیش بھی کر چکا ہوں ۔ " [۱۰]

اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ سیدنا انسؓ نے نہ صرف یہ کہ احادیث کی بڑی تعداد کئی نسخوں میں تحریر فرمائی تھی بلکہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تصدیق کے لیے بھی پیش کیا تھا اور آپؐ نے ان کی تصدیق فرمائی تھی ۔

---

۱۰ ۔ مستدرک الحاکم ، ذکر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۵۷۳ ، ۵۷۴ ج ۳

مسودہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

یہ بات مشہور و معروف ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس احادیث کا ایک مسودہ تھا۔ آپ کا ارشاد ہے۔

ما كتبنا عن النبى ﷺ إلاّ القرآن وما فى هذه الصحيفة

"میں نے قرآن کریم اور اس مسودے میں جو کچھ ہے ان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کچھ نہیں لکھا۔" ۱؎

امام بخاریؒ نے اپنی "صحیح" میں چھ مختلف مقامات پر اس مسودے کا ذکر کیا ہے۔ ان تمام مقامات کے مجموعی مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مسودہ خاصا ضخیم تھا اور اس میں قصاص، دیت، فدیہ، اسلامی مملکت، غیر مسلموں کے حقوق، وراثت کے خصوصی نوعیت کے کچھ مسائل، متفرق عمروں کے اونٹوں پر زکوٰۃ کے اصول اور شہر مدینہ کی تقدیس و حرمت کے کچھ احکامات درج تھے۔

یہ مسودہ رسالت مآب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا تھا پھر اپنی خلافت کے دنوں میں حضرت علیؓ نے محسوس فرمایا کہ اسلامی تعلیمات کے فروغ و اشاعت کے لیے احادیث نبویؐ کا لوگوں تک وسیع پیمانے پر پہنچنا ضروری ہے۔ اس سے ساتھ ساتھ اس سے ان دنوں میں رواج پا جانے والے چند غلط نظریات کی بیخ کنی بھی مدنظر تھی۔

۱؎ صحیح بخاری، کتاب الجہاد باب اثم من عاھد ثم غدر ص ۴۵۱ ج ۱

مشہور مورخ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ مسجد میں کھڑے ہوئے اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا پھر لوگوں سے پوچھا

من یشتری علما بِدَرھم

"کون ایسا ہے جو محض ایک درہم کے عوض علم خریدنا چاہتا ہو۔"

اس جملے سے آپؓ کی مراد یہ تھی کہ جو شخص تحصیل حدیث کا طالب ہو وہ ایک درہم کا کاغذ خریدے اور آپؓ کے پاس احادیث نبویؐ لکھنے کے لیے آجائے۔

بیان کیا گیا ہے کہ حارث الاعوار نے کاغذ خریدا اور آپؓ کے پاس آیا۔

فکتبَ له علما کثیرا

پھر (حضرت علیؓ نے) اس کے لیے کثیر علم تحریر کر دیا۔

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اسلامی تاریخ کی ابتدائی صدیوں میں لفظ "علم" محض علم حدیث کے لیے بولا جاتا تھا۔ [۲]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا مسودہ

حضرت جابر بن عبد اللہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مشہور صحابہؓ میں سے ہیں جنہوں نے کثیر تعداد میں احادیث روایت کی ہیں۔ حضرت جابرؓ نے دو مسودوں میں احادیث نبویؐ تحریر کی تھیں۔ ان میں سے ایک مسودے میں نبی

۱۔ طبقات ابن سعد ص ۱۶۸ ج ۶

۲۔ طبقات ابن سعد ص ۴۶۹ ج ۵

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج کی تفصیلات درج تھیں ۔ اس مسودے کا مکمل متن صحیح مسلم میں موجود ہے جہاں حضرت جابرؓ نے حجتہ الوداع کی معمولی تفصیلات تک بیان فرمائی ہیں ۔ [۱]

دوسرے نسخے میں آپؓ نے متفرق موضوعات کے متعلق احادیث شریف تحریر فرمائی تھیں ۔ حضرت جابرؓ کے مشہور شاگرد قتادہؒ فرماتے ہیں ۔

لأنا لصحيفة جابر أحفظ منّى لسورة البقرة

مجھے حضرت جابرؓ کا صحیفہ سورت بقرہ سے بہتر طور پر یاد ہے ۔ [۲]

اس مسودہ حدیث کا حوالہ مصنف عبدالرزاق میں موجود ہے جہاں اس کی چند احادیث بھی روایت کی گئی ہیں ۔ [۳]

حضرت عبداللہ بن عباس کا مسودہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت عبداللہؓ بہت کم عمر تھے حفاظت حدیث کی غرض سے آپؓ نے ان احادیث کو قلمبند کرنا شروع کر دیا جو آپؓ نے براہ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں یا صحابہ کرامؓ سے مروی تھیں ۔ جب بھی آپؓ کو کسی ایسے صحابی کے بارے میں علم ہوتا جن کے پاس کوئی حدیث ہوتی تو حضرت عبداللہ صرف اس حدیث کی سماعت کے لیے سفر کر کے ان کے پاس جاتے ۔ ایسی تمام احادیث شریف آپؓ

---

۱ ۔ صحیح مسلم کتاب الحج ص ۳۹۴ ۔ ۴۰۰ ۔ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت جابرؓ کے مسودے ہی کی نقل ہے (تذکرۃ الحفاظ للذہبیؒ ۱ : ۴۱)

۲ ۔ تہذیب التہذیب ۸ : ۳۵۳

۳ ۔ مصنف عبدالرزاق حدیث ۲۰۲۷۷ ج ۱۱

نے بے شمار مجموعوں میں مدون کی تھیں ـ یہ مجموعے اتنی کثیر تعداد میں تھے کہ انہیں ایک اونٹ پر لادا جاتا تھا ـ پھر یہ مسودات حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد کریبؒ کے پاس منتقل ہوئے ـ مشہور مورخ موسیٰ ابن عقبہ کا بیان ہے ـ

وضعَ عندنا كُرَيب حمل بعير أو عدل بعير من كتب ابن عبّاس. قال: فكان علي بن عبد الله بن عبّاس إذا أراد الكتاب كتبَ إليه: ابعث إليَّ بصحيفة كذا وكذا. قال: فينسخها فيبعث إليه بإحداهما

"کریبؒ نے ہمارے لیے ابن عباسؓ کی کتب کا اونٹ بھر بوجھ چھوڑا ـ جب علی بن عبداللہ بن عباس کو کسی کتب کی ضرورت ہوتی تو وہ کریب کو لکھ بھیجتے کہ مجھے فلاں فلاں کتب بھیج دیں ـ پھر (کریبؒ) اس کتاب کا نسخہ تیار کرتے اور دو میں سے ایک نسخہ انہیں بھیج دیتے" [۱]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد مسودے کی نقل کیا کرتے اور پھر آپ کو پڑھ کر سناتے تاکہ وہ نسخے کی تصحیح کر سکیں[۲] کبھی کبھار حضرت ابن عباسؓ شاگردوں کے سامنے احادیث روایت کرتے اور شاگرد انہیں تحریر کر لیتے ـ [۳]

تدوین حدیث کے سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی کوششوں کی یہ محض چند ایک مثالیں ہیں ـ یہاں ان تمام کاوشوں کا تفصیلی جائزہ مقصود نہیں ہے ـ اس مقصد کے لیے دیگر کتب موجود ہیں ـ یہاں ہمارا

---

۱ ـ طبقات ابن سعد ص ۲۹۳ ج ۵

۲ ـ جامع الترمذی کتاب العلل ص ۲۶۱ ج ۱

۳ ـ سنن الدارمی ۱۰۶ ج ۱ حدیث ۵۱۰ ص ۱۰۵ ج ۱ حدیث ۵۰۵

منشاء صرف یہ ہے کہ ایسی چند مثالیں پیش کر دی جائیں - یہ ٹھوس شواہد اس گمراہ کن نقطہ نظر کی تغلیط کے لیے بہت کافی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ور آپؐ کے صحابہ کرام کے ادوار میں احادیث نبویؐ لکھی نہیں جاتی تھیں۔

دور تابعین میں احادیث کی تدوین

صحابہ کرام کے بعد کے ادوار میں تاریخ تدوین حدیث وسیع تر اور تفصیل طلب ہو جاتی ہے - احادیث کی روایت سے متعلق ہر صحابی کے کثیر شاگرد ہوئے ہیں جنھوں نے اپنی سنی ہوئی احادیث قلم بند اور مدون کی ہیں - صحابہ کرام کے ان شاگردوں کو تابعین کہا جاتا ہے -

تابعین کی تدوین حدیث عموماً موضوعاتی ترتیب سے نہیں ہے - اگرچہ ان میں سے چند ایک حضرات نے احادیث کو موضوعاتی عنوانات اور سرخیوں کے تحت بھی یکجا کیا ہے - اس طرح ترتیب شدہ حدیث کی کتاب "الابواب" مصنفہ امام شعبیؒ (ولادت ۱۹ھ) اس طرز کی پہلی کتاب سمجھی جاتی ہے - یہ کتاب مختلف ابواب میں منقسم تھی اور ہر باب میں ایک ہی موضوع سے متعلق احادیث یکجا تھیں - مثلاً زکوٰۃ، صلوٰۃ وغیرہ وغیرہ ۔ ۱

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ عام ترتیب پر مدون ہونے والی حدیث کی اولین کتاب پہلی صدی ہجری میں ہی ترتیب کی گئی تھی - ایک اور کتاب جو قرآن کریم کی تفسیر پر مبنی احادیث پر مشتمل تھی حضرت حسن بصری (م ۱۱۰ھ) نے تصنیف فرمائی تھی - ۲ یہ بھی عموی ترتیب کے مطابق ایک باقاعدہ کتاب تھی جو ایک مخصوص موضوع پر پہلی صدی ہجری میں لکھی گئی -

---

۱۔ تدریب الراوی ص ۴۰

۲۔ السنۃ قبل التدوین عجاج الخطیب ص ۳۳۸

عہد تابعین میں تدوین حدیث کا کام مشہور خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سرکاری طور پر سنبھالا ۔ آپؒ نے تمام گورنروں کو سرکاری حکم بھیجا کہ وہ اپنی ذاتی نگرانی میں صحابہ کرامؓ اور ان کے شاگردوں میں سے ذی علم حضرات کو مجتمع کریں اور ان سے حاصل ہونے والی احادیث کو قلم بند کرلیں ۔ [۱۰]

یہ اسی سرکاری حکم کا نتیجہ تھا کہ احادیث کی کثیر کتب تیار ہو کر پورے ملک کے طول و عرض میں پھیل گئیں ۔ ابن شہاب الزہری بھی تدوین حدیث کے انہی ابتدائی معماروں میں سے ہیں ۔ آپ نے کئی کتب تحریر فرمائی ہیں ۔

جیسا کہ ہر سائنس کے ارتقا میں ہوا کرتا ہے ۔ اس دور کے تمام مسودات اور کتب بعدازاں تحریر ہونے والی حدیث کی بڑی کتب میں ضم ہو گئے ۔ ان مسودات اور کتب کی ذاتی حیثیت و شناخت ان کی ضرورت نہ رہنے کی بناء پر زیادہ توجہ طلب نہ رہی ۔ چنانچہ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں تحریر ہونے والی ضخیم تر کتب نے آہستہ آہستہ ان کی جگہ لے لی اور زیادہ تفصیلی ، ہمہ گیر اور مبنی برضرورت ہونے کی وجوہات کے باعث وسیع پیمانے پر اس طرح معروف و مقبول ہوئیں کہ تابعین کی کتب پیش منظر میں نمایاں نہ رہیں ۔ پھر بھی ان کتب کے چند مسودات محفوظ رہے اور بعد کی کتب کا موازنہ و مقابلہ انہی محفوظ مسودات سے کیا گیا ۔

عہد تابعین میں لکھی جانے والی ان کتب میں سے ایک " صحیفہ ہمام بن منبہ " بھی ہے ہمام بن منبہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد تھے جنہوں نے حضرت ابوھریرہ سے سنی ہوئی احادیث کا مجموعہ تحریر کرلیا تھا ۔ اس کتاب کا نام " الصحیفتہ الصحیحہ " تھا ۔ اس کتاب کی تمام احادیث بعد میں دیگر

---

۱۰ ۔ فتح الباری ص ۱۷۴ ج ۱

مجموعوں میں شامل ہو گئیں - اس کا مکمل متن بھی "مسند امام احمد" میں ملتا ہے - چنانچہ اصل مسودہ اتنا توجہ طلب نہ رہنے کے باعث عرصہ دراز کے لیے گوشہ گمنامی میں پوشیدہ ہو گیا

۱۳۷۳ھ (۱۹۵۴ع) میں اس کتاب کے دو مخطوطے برلن اور دمشق کی لائبریریوں میں دریافت ہوئے اور جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے انہیں ایک تفصیلی تعارف کے ساتھ شائع کر دیا - صدیوں قبل کی ان تحریر شدہ کتب کو ڈاکٹر صاحب موصوف نے ہی مرتب کرکے ان کے متن کا مقابلہ مسند امام احمد میں ملنے والے متن سے بھی کیا - لیکن ان دونوں متون کے درمیان کوئی بھی حقیقی اور واقعی اختلاف یا فرق نہیں مل سکا - الفاظ کے چند ایک ایسے ناقابل ذکر اور معمولی اختلافات کے علاوہ، جو ایک کتاب کے دو مخطوطوں میں ہوا ہی کرتے ہیں، دونوں متن قطعاً یکساں پائے گئے -

یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ تابعین کی کتب دیگر کتب میں شامل ہو کر بعد کی ضخیم کتب کا ایک حصہ بن گئی تھیں اور اس تدوین میں ان تمام احتیاطوں کو مدنظر رکھا گیا تھا جس سے ان کا معتبر ہونا برقرار رہے -

پہلی صدی ہجری کی تدوین حدیث

پہلی اور دوسری صدی ہجری میں تابعین نے علم حدیث کی جو خدمات انجام دی ہیں ذیل میں اس کی ایک فہرست دی جا رہی ہے - پہلی صدی ہجری میں تابعین نے درج ذیل کتب تدوین کیں - (الف)

۱- کتاب خالد بن معدان (م ۱۰۴ھ)

۲- کتب ابو قلابہ (م ۱۰۴ھ)

(الف) ا سے ۱۹ تک حوالوں کے لیے درج ذیل ملاحظہ فرمائیں -

انہوں نے اپنی کتب اپنے شاگرد ایوب سختیانی (م ۶۸ - ۱۳۱ھ) کو سونپنے کی وصیت کی تھی۔ جنہوں نے ان کتب کو اونٹ پر صرف لادنے کا معاوضہ دس درہم ادا کیا تھا۔

۳- صحیفہ ھام بن منبہ۔ اس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے

۴- کتب حضرت حسن بصری (۲۱ - ۱۱۰)

۵- کتب محمد الباقر (۵۶ - ۱۱۴ھ)

۶- کتب مکحول شامی

۷- کتاب حکم بن عتبہ

۱۔ تذکرۃ الحفاظ للذہبی ۱: ۲۱۶، ۱: ۱۶۶

۲۔ طبقات ابن سعد ۵: ۲۱۶ و تذکرۃ الحفاظ ۱: ۸۸

۳۔ صحیفہ ہمام بن منبہ تحقیق ڈاکٹر حمید اللہ

۴۔ طبقات ابن سعد ۷: ۱۷ والحدیث الفاصل

۵۔ تہذیب التہذیب ۲: ۱۰۴

۶۔ الفہرست الابن ندیم ص ۳۱۸

۷۔ تقدمہ الجراح والتعدیل ص ۱۳۰

۸۔ تہذیب التہذیب ۱۰: ۷۰، ۷۱

۹۔ تذکرۃ الحفاظ ۱: ۱۹۰

۱۰۔ تقدمہ الجراح والتعدیل ص ۱۴۴، ۱۴۵

۱۱۔ تدریب الراوی ص ۴

۱۲۔ جامع بیان العلم ۱: ۷۶

۱۳۔ السنتہ قبل التدوین (تعلیق) ص ۳۳۸

۱۴۔ تقیید العلم ص ۱۰۲

۸ - کتاب بکیر بن عبداللہ بن الاشج

۹ - کتب قیس بن سعد (م ۱۱۷ھ)

یہ کتاب بعد ازاں حماد بن سلمہ کی ملکیت میں رہی ۔

۱۰ - کتاب سلیمان الیشکری

۱۱ - الا ابواب للشعبیؒ اس کتاب کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے

۱۲ - کتب ابن شہاب الزھریؒ

۱۳ - کتاب ابو العالیہؒ

۱۴ - کتاب سعید ابن جبیرؒ (م ۹۵ھ)

۱۵ - کتب عمر بن عبدالعزیزؒ (۶۱ - ۱۰۱ھ)

۱۶ - کتب مجاہد بن جبرؒ (م ۱۰۳ھ)

۱۷ - کتب رجاء بن حیوۃؒ (م ۱۱۲ھ)

۱۸ - کتاب ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزمؒ

۱۹ - کتاب بشیر بن نھیک

دوسری صدی ہجری کی تصنیف شدہ کتب حدیث

دوسری ہجری کی تصنیف کردہ احادیث کی کتب کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں سے بڑی تعداد موضوعات کے لحاظ سے ترتیب دی گئی ہے ۔ جب کہ پہلی صدی ہجری میں ایسا نہ تھا ۔ لیکن ایسی کتب بھی ملتی ہیں جو دوسری صدی ہجری میں اس ترتیب کے بغیر ہیں ۔ اس صدی میں مدون ہونے والی کتب کی فہرست بہت طویل ہے ۔ چند ممتاز اور نمایاں کتب کے نام درج ذیل ہیں ۔ (ب)

---

۱۵ سنن الدارمی ۱ : ۱۲۹ و تقیید العلم ص ۱۰۸ ۔ ۱۸ تقدمہ الجرح و التعدیل ص ۲۱

۱۶ تاریخ البغداد للخطیب ۱۱ : ۱۶۲ ۔ ۱۹ طبقات ابن سعد ۷ : ۱۶۲

۱۷ سنن الدارمی ۱ : ۱۲۹ و تقیید العلم ص ۱۰۸ (ب) حوالوں کے لیے درج ذیل ملاحظہ فرمائیں

۱- کتاب عبد الملک بن جریبؒ (م ۱۵۰ھ)

۲ – موطا امام مالک بن انسؒ (۹۳ – ۱۷۹ھ)

۳ – موطا ابن ابی ذئب (۸۰ – ۱۵۳ھ)

۴ – مغازی محمد بن اسحاقؒ (م ۱۵۱ھ)

۵ – مسند ربیع بن صبیحؒ (م ۱۶۰ھ)

۶ – کتاب سعید بن ابی عروبہؒ (م ۱۵۶ھ)

۷ – کتاب حماد بن سلمہؒ (م ۱۶۷ھ)

۸ – جامع سفیان **الثوری**ؒ (۹۷ – ۱۶۱ھ)

۹ – جامع معمر بن راشدؒ (۹۵ – ۱۵۳ھ)

۱۰ – کتاب عبد الرحمٰن الاوزاعیؒ (۸۸ – ۱۵۷ھ)

۱۱ – کتاب الزھد۔ عبداللہ بن مبارکؒ (۱۱۸ – ۱۸۱ھ)

۲۱ – کتاب ھشیم بن بشیرؒ (۱۰۴ – ۱۸۳ھ)

۱۳ – کتاب جریر بن عبد الحمیدؒ (۱۱۰ – ۱۸۸ھ)

۱۴ – کتاب عبداللہ بن وھبؒ (۱۲۵ – ۱۹۷ھ)

۱۵ – کتاب یحیٰ بن ابی کثیرؒ (م ۱۲۹ھ)

۱۶ – کتاب محمد بن سوقہؒ (م ۱۳۵ھ)

۱۷ – تفسیر زید بن اسلمؒ (م ۱۳۶ھ)

۱۸ – کتاب موسیٰ بن عقبہؒ (م ۱۴۱ھ)

۱۹ – کتاب اشعث بن عبدالملکؒ (م ۱۴۲ھ)

۲۰ – کتاب عقیل بن خالدؒ (م ۱۴۲ھ)

۲۱ – کتاب یحیٰ بن سعید انصاریؒ (م ۱۴۳ھ)

۲۲ – کتاب عوف بن ابی جمیلہؒ (م ۱۴۶ھ)

۲۳ – کتب جعفر بن محمد الصادقؒ (م ۱۴۸ھ)

۲۴ – کتاب یونس بن یزیدؒ (م ۱۵۲ھ)

۲۵ - کتاب عبدالرحمٰن المسعودیؒ	(م ۱۶۰ھ)
۲۶ - کتب زائدہ ابن قدامہؒ	(م ۱۶۱ھ)
۲۷ - کتب ابراھیم الطھمانؒ	(م ۱۶۳ھ)
۲۸ - کتب ابوحمزہ السکریؒ	(م ۱۶۷ھ)
۲۹ - الغرائب شعبہ بن الحجاجؒ	(م ۱۶۴ھ)
۳۰ - کتب عبدالعزیز بن عبداللہ الماجشونؒ	(م ۱۶۴ھ)
۳۱ - کتب عبداللہ بن عبداللہ بن ابی اویسؒ	(م ۱۶۹ھ)
۳۲ - کتب سلیمان بن بلالؒ	(م ۱۷۲ھ)
۳۳ - کتب عبداللہ بن لہیعہؒ	(م ۱۴۷ھ)
۳۴ - جامع سفیان بن عیینہؒ	(م ۱۹۸ھ)
۳۵ - کتاب الاثار امام ابو حنیفہؒ	(م ۱۵۰ھ)
۳۶ - مغازی معتمر بن سلیمانؒ	(م ۱۸۷ھ)
۳۷ - مصنف وکیع بن جراحؒ	(م ۱۹۶ھ)
۳۸ - مصنف عبدالرزاق بن ھمامؒ	(۱۳۶ - ۲۲۱ھ)
۳۹ - مسند زید بن علیؒ	(۷۶ - ۱۲۲ھ)
۴۰ - کتب امام شافعیؒ	(۱۵۰ - ۲۰۴ھ)

۱ سے ۱۶ تک المحدث الفاصل ص ۱۵۵ و تدریب الراوی ص ۴ مقدمہ فتح الباری ص ۴ الرسالۃ المستطرفہ

باقی نمبروں کے لیے ملاحظہ فرمائیں " والسنتہ قبل التدوین ص ۳۳۷ "

اس دور کی مندرجہ ذیل کتب اب بھی مطبوعہ شکل میں دستیاب ہیں ۔

۱۔ الموطا — امام مالکؒ
۲۔ کتاب الاثار — امام ابوحنیفہؒ
۳۔ مصنف — عبدالرزاق
(یہ کتاب گیارہ ضخیم جلدوں میں طبع ہوئی ہے)
۴۔ السیرۃ — محمد بن اسحاقؒ
۵۔ کتاب الزھد — عبداللہ بن المبارکؒ
۶۔ کتاب الزھد — وکیع ابن جراحؒ (تین جلدوں پر مشتمل ہے)
۷۔ المسند — زید بن علیؒ (۷۶ - ۱۲۲ھ)
۸۔ سنن — امام الشافعیؒ (۱۵۰ - ۲۰۴ھ)
۹۔ مسند — امام الشافعیؒ
۱۰۔ سیر — اوزاعیؒ (۸۸ - ۱۵۷ھ)
۱۱۔ مسند — عبداللہ بن المبارکؒ (م ۱۸۱ھ)
۱۲ مسند — ابو داؤد الطیالسیؒ (م ۲۰۴ھ)
۱۳۔ الرد — علی سیر الاوزاعیؒ امام ابویوسفؒ
۱۴۔ الحجۃ علی اہل المدینہ — امام محمد بن حسن شیبانیؒ
۱۵۔ کتاب الام — امام شافعیؒ
۱۶۔ المغازی — واقدی (۱۳۰ - ۲۰۶ھ) (۴ جلدوں پر مشتمل ہے)

یہ بات مدنظر رکھنی چاہیئے کہ یہ فہرست کوئی حتمی اور مکمل فہرست نہیں ہے ۔ لیکن جو کتب آج مطبوعہ شکل میں دستیاب ہیں صرف انہی کا ایک معروضی جائزہ یہ بات واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ ان کا اسلوب ایک ترقی یافتہ اور

پختہ اسلوب ہے اور یہ بات کسی طرح ظاہر نہیں ہوتی کہ یہ اپنے موضوع کی اولین کتب میں سے ہیں ۔ ان میں سے چند ایک کتب دس سے زائد ضخیم جلدوں پر مشتمل ہیں اور ان کی ترتیب بتاتی ہے کہ ان دنوں میں تدوین حدیث مستحکم اور ترقی یافتہ مرحلے میں پہنچ چکی تھی ۔

تدوین حدیث کی یہ تمام کوششیں پہلی اور دوسری ہجری کی ہیں لہٰذا کوئی بھی شخص دیکھ سکتا ہے کہ یہ بات کس قدر غلط ثابت ہوتی ہے کہ تدوین حدیث کا کام تیسری صدی ہجری سے قبل شروع نہیں ہوا تھا ۔

جو کچھ گفتگو ہم نے اوپر کی ہے وہ اس بات کو ثابت کرنے اور سمجھنے کے لئے بہت کافی ہے کہ تدوین حدیث خود رسالت ماب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں شروع ہو چکی تھی ۔ اور آپ ؐ کے بعد کے ادوار میں ہر مرحلے پر تسلسل کے ساتھ اس پر کام کیا جاتا رہا ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر نئی سائنس اور علم کی ہر بڑی شاخ کی طرح تدوین حدیث کا سلسلہ بھی مختلف مدارج سے گزرتا آیا ہے ۔ لیکن یہ مفروضہ کہ یہ عمل تیسری صدی ہجری سے قبل شروع نہیں ہو سکا تھا ، کسی بھی بنیاد پر ثابت نہیں کیا جا سکتا ۔

باب نمبر 6

احادیث پر جرح و تعدیل

اگرچہ حفاظت حدیث کا فریضہ پہلے ذکر کیے گئے چاروں طریقوں (بشمول کتابت حدیث) کی مدد سے ابتدائی چاروں صدیوں میں متواتر اور پوری تندھی کے ساتھ ادا کیا جاتا رہا ہے لیکن پھر بھی اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اس عرصے میں روایت کردہ یا تدوین شدہ تمام احادیث کو معتبر اور قابل اعتماد تسلیم کر لیا گیا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ اسی دوران جب تدوین حدیث کا کام انجام پا رہا تھا ' محدثین ایک انتہائی منظم فن اور قابل اعتماد علم کو بھی فروغ دے رہے تھے جس میں کسی روایت کی جانچ پڑتال ' چھان پھٹک اور صحیح وغلط کی تصدیق کے لئے بے شمار امتحانات تشکیل کئے گئے تھے۔ کسی روایت اور حدیث کو قابل اعتماد ٹھہرانے سے قبل یہ جائزے اور امتحانات اس پر لاگو کیے جاتے اور طرح طرح سے روایت کو پرکھ لیا جاتا۔

دنیا بھر کی تاریخ اور تاریخی تنقید محدثین کرام کے اس بے شمار انواع پر مشتمل وضع کردہ نظام کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس نظام کی مختلف شاخوں کا تعارف اور ان پر لکھی گئی کتب کا محض ایک خلاصہ پیش کرنا بھی یہاں ہمارے لئے پوری طرح ممکن نہیں ہے۔ لیکن یہ بات بلا خوف تردید کی جا سکتی ہے کہ علم حدیث سے متعلقہ ان شاخوں اور انواع پر ہزاروں کتب تحریر کی جا چکی ہیں۔

پھر بھی بات کو سمجھانے کے لئے علم حدیث کے جرح وتعدیل کے ان

امتحانات اور تجزیوں کا مختصراً جائزہ پیش کیا جاتا ہے جن کے ذریعے محدثین احادیث کی صحت متعین کرتے رہے ہیں۔

مختلف زاویوں کے مشاہدے کی بنا پر احادیث کی سینکڑوں اقسام قرار دی گئی ہیں۔ معتبر اور مستند ہونے کے اعتبار سے بالاخر احادیث کو چار بڑی اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔	صحیح	(درست)
۲۔	حسن	(خوب)
۳۔	ضعیف	(کمزور)
۴۔	موضوع	(اختراع شدہ)

ان چاروں میں سے صرف پہلی دو اقسام قابل اعتماد قرار دی گئی ہیں اور احکام شریعت انہی دونوں اقسام پر مبنی ہوتے یا **مستنبط** کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ صرف انہی دونوں اقسام کی احادیث قوانین اسلام کا ماخذ ہوتی ہیں۔ دوسری اقسام کی اہمیت خصوصاً قانونی اور نظریاتی معاملات میں بہت کم یا نہ ہونے کے برابر ہے۔

کسی حدیث کو "صحیح" یا "حسن" قرار دینے سے قبل اسے مندرجہ ذیل امتحانات پر پرکھا جاتا ہے۔

(ا)۔ راویوں کی چھان بین۔

(ب)۔ راویوں کی سند مسلسل اور متصل ہونے کی جانچ پڑتال۔

(ج)۔ روایت کی سند اور متن کا اسی معاملے کی دوسری روایتوں یا طرق کے ساتھ موازنہ۔

(د)۔ مسند حدیث اور متن حدیث کا اسی موضوع پر دستیاب دوسرے مواد کی

روشنی میں تجزیہ اور اس کا یقین کہ سند اور متن میں کوئی "علت" (نقص) نہیں ہے۔

یہاں ہم ان چاروں امتحانات کی مختصر تفصیل پیش کرتے ہیں جس سے معلوم ہو سکے گا کہ محدثین نے کس طرح انہیں کسی حدیث کی صحت کا معیار متعین کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔

(۱) راویوں کی چھان بین

کسی حدیث کے درست ہونے میں سب سے پہلے اور اولین اہم ٹیسٹ اس کے راویوں کے قابل اعتبار ہونے سے متعلق ہے۔ یہ چھان بین دو مختلف زاویوں سے ہوتی ہے۔ اول تو اس راوی کی دیانت اور راست بازی کا یقین کیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ جانچا جاتا ہے کہ اس کی قوت حافظہ کس معیار کی ہے۔

اس چھان بین کے لئے ایک علیحدہ سائنس تشکیل دی گئی ہے جس کا نام "علم الرجال" (افراد کا علم) ہے۔ اس علم کے ماہرین نے اپنی عمریں اسی بات کے لئے صرف کی ہیں کہ ہر ایسے فرد کی مکمل معلومات حاصل کی جائیں جس نے کسی حدیث کی روایت کی ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ راوی کے گھر جایا کرتے اور اس کے ہمسایوں، شاگردوں اور احباب سے اس کی معلومات حاصل کرتے تاکہ کوئی عالم محض کسی راوی سے ذاتی تعلق کی بناء پر مرعوب نہ ہو سکے۔ "رجال" کے مشہور عالم علیؒ ابن المدائنی سے جب ان کے والد کے بارے میں پوچھا گیا تو پہلے تو انہوں نے سوال ٹالنے کی کوشش کی اور فرمایا کہ "ان کے متعلق کسی اور عالم سے معلوم کرو" لیکن جب ان کی ذاتی رائے کے بارے میں دوبارہ پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا۔

هُو الدِّين، إنّه ضعيف

"یہ معاملہ دین کا ہے۔ (اس لئے میرا جواب یہ ہے کہ) وہ ضعیف راوی ہیں"

وکیع بن جراح علم حدیث کے مشہور امام ہیں۔ انہوں نے اپنے والد کو حدیث میں "ضعیف" قرار دیا ہے اور ان کی روایتوں پر اس وقت تک اعتماد نہیں کرتے تھے جب تک ان کی تصدیق کسی اور راوی سے نہیں ہو جاتی تھی۔

حدیث کی مشہور چھ کتب (صحاح ستہ) میں سے ایک کے مصنف امام ابو داؤدؒ نے اپنے بیٹے عبداللہ کے بارے میں کہا ہے کہ وہ "ایک بڑا جھوٹا ہے۔"[1]

زید ابن ابی انیسہ اپنے بھائی یحییٰ کے بارے میں فرماتے "میرے بھائی یحییٰ کی روایت قبول نہ کرو کیوں کہ اسے جھوٹا کہا جاتا ہے۔"[2]

علم الرجال کی بے شمار کتب میں اس قسم کی آرا ملتی ہیں۔ اس موضوع پر سینکڑوں کتابیں تحریر کی گئی ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱۔ تہذیب التہذیب از حافظ ابن حجرؒ

بارہ جلدوں پر مشتمل اس کتاب میں ان تمام راویوں کے مختصر حالات دیئے گئے ہیں جن کی روایات احادیث کی مشہور چھ کتب "صحاح ستہ" میں شامل ہیں۔ اس کتاب میں بارہ ہزار چار سو پچپن (۱۲۴۵۵) راویوں کے حالات زندگی شامل ہیں۔ ان راویوں کے نام حروف تہجی کے مطابق ترتیب دیئے گئے ہیں۔[3]

۱۔ یہ وہی عبد اللہ ہے جس کی "کتاب المصالف کو بعض مستشرقین کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔

۲۔ الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ للسخاوی ص ٦٦

۳۔ یہ ہر جلد میں مذکورہ راویوں کی تعداد کے مطابق پوری کتاب کے مجموعی راویوں کی تعداد ہے بعض اوقات ایک ہی راوی مختلف ناموں سے معروف ہوتا ہے اور کتاب میں علیحدہ علیحدہ ناموں کے تحت اس کا حال مذکور ہے اس طرح راویوں کی کل تعداد میں کمی ممکن ہے لیکن یہ

آپ صحاح ستہ کی کسی کتاب میں سے حدیث کی کسی سند کا کوئی بھی نام منتخب کر لیں ۔ یہ نام تہذیب التہذیب میں اپنی متعینہ ترتیبی جگہ پر لازماً موجود ہو گا ۔ یہاں آپ اس راوی کی تاریخ ولادت ' تاریخ وفات ' اس کے اساتذہ کی فہرست ' اس کے شاگردوں کے نام ' اس کی زندگی کے اہم واقعات اور اس کے بارے میں علماء کی آراء یکجا دیکھ سکتے ہیں ۔

صحاح ستہ کے راویوں کے بارے میں بالخصوص کئی اور بھی کتب موجود ہیں اور ان کے مطالعے کے بعد راوی کے معتمد ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کسی بھی واضح نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے ۔

۲- لسان المیزان از حافظ ابن حجرؒ

یہ کتاب خاص طور پر ایسے راویوں کے بارے میں ہے جن کے نام صحاح ستہ کی کسی کتاب کی کسی سند میں موجود نہیں ہیں ۔ بالفاظ دیگر ان راویوں کی روایات صحاح ستہ کے علاوہ صرف دیگر کتابوں میں ملتی ہیں ۔

سات جلدوں پر مشتمل اس کتاب میں ۵۹۹۱ راویوں کے حالات مذکور ہیں ۔

۳- تعجیل المنفعہ ' از حافظ ابن حجرؒ

یہ کتاب محض ان راویوں کے حالات پر مشتمل ہے جن کی روایات صحاح ستہ میں موجود نہیں ہیں لیکن ائمہ اربعہ یعنی امام مالکؒ ' امام ابوحنیفہؒ ' امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی کتب میں ملتی ہیں ۔ چنانچہ اس کتاب میں ۱۷۳۲ رواۃ حدیث کے بارے میں ذکر ملتا ہے ۔

یہ تینوں کتب ایک ہی شخصیت یعنی حافظ ابن حجرؒ کی تصنیف و تدوین شدہ ہیں ۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ صرف انہوں نے سترہ ہزار سے زائد راویان

احادیث کا تعارف پیش کیا ہے ۔

یہ تنہا ایک عالم کی کاوش ہے ۔ اس موضوع پر بے شمار دیگر حضرات کی کتب بھی دستیاب ہیں ۔ درج ذیل جدول سے راویان احادیث کی اس بڑی تعداد کا اندازہ ہو سکے گا جو علم الرجال کی مشہور و معروف چند کتب میں (جن کے حوالے اکثر دیئے جاتے ہیں) مذکور ہے ۔

نام کتاب	مصنف	ضخامت	راویوں کی تعداد
۱۔ التاریخ الکبیر	امام بخاریؒ	۹جلد	۱۳۷۸۱
۲۔ الجرح والتعدیل	ابن ابی حاتمؒ	۹جلد	۱۸۰۵۰
۳۔ تہذیب التہذیب	حافظ ابن حجرؒ	۱۲جلد	۱۲۴۵۵
۴۔ میزان الاعتدال	ذہبیؒ	۴ جلد	۱۱۰۵۳
۵۔ لسان المیزان	حافظ ابن حجرؒ	۷ جلد	۵۹۹۱
۶۔ الثقات	عجلیؒ	۱ جلد	۲۱۱۶
۷۔ المغنی فی الضعفاء	ذہبیؒ	۲ جلد	۷۸۵۴

اس جدول کی آخری کتاب محض ان راویوں کے حالات پر مشتمل ہے جنہیں " ضعیف " قرار دیا گیا ہے ۔ اسی طرح ابن ابی حاتمؒ ، دار قطنیؒ کی تصنیفات بھی موجود ہیں ۔ اس کے برعکس ایسی کتب بھی لکھی گئی ہیں جن میں محض معتمد رواۃ کے حالات یکجا کئے گئے ۔ ابن حبان کی گیارہ جلدوں پر مشتمل " الثقات " اس کی ایک مثال ہے ۔

بہرکیف اگر کوئی راوی غیر دیانت دار ، کمزور یاد داشت کا مالک یا گمنام ٹھہرتا ہے تو اس کی روایات ناقابل اعتماد قرار پاتی ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ روایات کی ایک کثیر تعداد محض اسی بنیاد پر رد کر دی گئی ہے ۔

۲۔ اتصال سند

یہ بات سب کے علم میں ہے کہ علم حدیث کی سائنس میں کوئی روایت اس وقت قبول نہیں کی جاتی جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک اس کی سند متصل پیش نہ کی جائے۔ اس سند اور سلسلے کا ہر راوی پہلے دیانت داری کے اس معیار پر پرکھا جاتا ہے جو اوپر ذکر کیا گیا۔ لیکن اگر کسی سند کے تمام راوی قابل اعتماد قرار پاتے ہوں تب بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ حدیث مستند قرار دے دی جائے۔ یہ بھی اطمینان ہونا ضروری ہے کہ یہ سند مسلسل ہے اور اس کے درمیان کوئی راوی کم نہیں ہے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کسی مرحلے کا کوئی راوی سند میں کم ہے اور کڑیاں باہم مربوط نہیں ہیں تو روایت غیر مستند قرار پاتی ہے۔ اتصال سند کو یقینی بنانے کے لئے ہر راوی کے بارے میں یہ تحقیق ضروری ہے کہ آیا تاریخی طور پر ایسا ممکن بھی ہے کہ وہ راوی اس شخص سے ملا ہو جس سے حدیث کی سماعت کا وہ دعویٰ کر رہا ہے۔

یہ چھان بین اور جانچ پڑتال بے شک بہت مشکل اور حساس نوعیت کی ہے لیکن علم حدیث کے ماہرین نے اس مشکل ترین کام کو اس احسن اور درست طریقے سے انجام دیا ہے کہ انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔

ہر راوی کے بارے میں معلومات حاصل کرتے وقت "محدثین کرام" جہاں اس کی ذہانت اور قوت حافظہ پرکھتے ہیں وہیں اس کے اساتذہ اور شاگردوں کے بارے میں بھی جائزہ لیا جاتا ہے۔ لہٰذا علم الرجال کی ہر کتاب میں راویوں کے شاگردوں اور اساتذہ کی فہرست بھی دستیاب ہوتی ہے۔ چنانچہ سند کے مسلسل ہونے کی دیکھ بھال کرتے وقت نہ صرف یہ کہ ہر راوی کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات دیکھی جاتی ہے بلکہ اس کے اساتذہ اور شاگردوں کی فہرست کا

بھی تنقیدی نقطہ نگاہ سے جائزہ لیا جاتا ہے۔

اسی پر بس نہیں، بلکہ محدثین اکثر اوقات وقت کے اس دورانیے کا بھی تعین کرتے ہیں جس میں کسی راوی کے اپنے کسی مخصوص استاد سے ملنے کے امکانات تھے اور یہ کہ وہ حدیث کس زمانے میں سماعت کی گئی تھی۔ ان معلومات کی بنیاد پر کسی راوی کے قابل اعتماد ہونے کے بارے میں اہم نتائج اخذ کئے جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر عبداللہ بن لہیعہ مشہور مصری راوی حدیث ہے۔ اس کے بارے میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اس کی یادداشت کمزور تھی اور وہ عموماً اپنی تحریر شدہ احادیث میں سے روایت کیا کرتا تھا۔ ایک زمانے میں اس کے مکان کو آگ لگ گئی اور اس کی تمام کتب بھی [illegible]ش ہو گئیں۔ اس حادثے کے بعد بھی وہ کبھی کبھار اپنی یادداشت کی بناء پر احادیث کی روایت کیا کرتا تھا۔ چنانچہ بعض علماء نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ اس کے اس حادثے سے قبل کی احادیث قابل اعتماد ہیں۔ جب کہ حادثے کے بعد کی مرویات قبول نہیں کی جا سکتیں۔ لہٰذا اس کے وہ شاگرد جنہوں نے حادثے سے قبل اس سے احادیث حاصل کی تھیں قابل اعتماد قرار پائے اور ان کی روایات قابل قبول ہیں۔ جبکہ حادثے کے بعد کے شاگردوں پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ محدثین نے ان تمام شاگردوں کی فہرست کی چھان پھٹک کی ہے اور ان شاگردوں کے ناموں کی نشان دہی کر دی ہے جو ابتدائی دور کے ہیں۔ مثال کے طور پر عبداللہ ابن وھب وغیرہ۔ اور اعلان کر دیا ہے کہ ان کے علاوہ باقی تمام شاگرد دور آخر کے شاگرد سمجھے جائیں اور ان پر عبداللہ ابن لہیعہ کی روایات کے معاملے میں اعتماد نہ کیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ چھان بین کی یہ دوسری قسم جو کہ جرح وتعدیل میں انتہائی

اہم حیثیت کی مالک ہے مسند کے متصل ہونے ۔ اور سلسلے کے متواتر ہونے سے متعلق ہے۔

اگر تحقیق کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ راوی نے اس شخص سے براہ راست حدیث سماعت ہی نہیں کی ہے جس سے سماعت کرنے کا وہ دعویٰ کر رہا ہے تو ایسی حدیث کو منقطع کہا جاتا ہے اور اسے قابل اعتماد تصور نہیں کیا جاتا۔

۳- دیگر روایات سے تقابل و موازنہ

حدیث کی جانچ پڑتال کے لئے تیسرا ٹیسٹ یہ ہے کہ اس کی متعلقہ روایت کا تقابل ان دوسری روایتوں سے کیا جائے جو ایک ہی استاد کے دوسرے شاگردوں نے روایت کی ہوں۔

اس کی تشریح یہ ہے کہ بعض اوقات ایک ہی حدیث بہت سے راویوں سے مروی ہوتی ہے۔ ایک ہی واقعے یا قول سے متعلق ایسی تمام روایات اس حدیث کے " طرق " (راستے) کہلاتی ہیں۔ کسی حدیث کو پرکھتے وقت محدثین اس حدیث کے تمام طرق کا مجموعی مطالعہ کرتے ہیں۔ اگر کسی روایت میں ایسا ہو کہ قابل اعتماد راویوں کی اکثریت حدیث کو ایک خاص طریقے پر روایت کر رہی ہو لیکن ان میں سے ایک راوی اس طریقے سے روایت کر رہا ہو کہ وہ مفہوماً دیگر احادیث سے مختلف ہو تو ایسی روایت کو " شاذ " (نادر الوقوع) کہا جاتا ہے۔ اسی صورت میں راوی کے معتمد ہونے کے باوجود روایت کو " صحیح " حدیث کے طور پر قبول نہیں کیا جاتا اور اس کو اس وقت تک معتبر خیال نہیں کیا جاتا جب تک کسی داخلی یا خارجی شہادت کی بناء پر اس کی مزید تصدیق نہ ہو جائے۔

۴- حدیث کا مجموعی تجزیہ

آخری اور بے حد اہم مرحلہ حدیث کے عمومی تجزیے کا ہوتا ہے۔ اس

چھان بین میں اسی موضوع کے دیگر متعلقہ دستیاب شدہ مواد کی روشنی میں حدیث کی پرکھ ہوتی ہے ۔ مختلف زاویوں سے حدیث کو جانچا جاتا ہے ۔ آیا روایت کردہ واقعہ یا قول ممکن بھی ہے یا نہیں ؟ کیا ثابت شدہ تاریخی واقعات حدیث پر منطبق ہوتے ہیں ؟ کیا اس کے متن کا انتساب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کیا جا سکتا ہے ؟ آیا اس راویوں کی سند اصلی بھی ہے یا نہیں ؟ وغیرہ وغیرہ

یہ ایک ایسا مشکل اور نازک تجزیہ ہوتا ہے جس میں کسی شخص کے کامیابی سے عہدہ برآ ہونے کے لئے متعلقہ تمام علوم پر مکمل دسترس ' حدیث کا جامع علم ' اور علم حدیث کے جرح وتعدیل کے فن کی انتہائی مہارت درکار ہے ۔

اگر اس تمام چھان بین کے بعد کسی ماہر حدیث کو حدیث کے معتبر ہونے میں کوئی قوی شک ہو جائے تو وہ نشان دہی کر دیتا ہے کہ سند حدیث یا متن حدیث میں فلاں " نقص " (علت) پایا جاتا ہے ۔ اور اس نوعیت کی علت یا نقص کی حامل کسی حدیث کو " صحیح " قرار نہیں دیا جا سکتا ۔

چنانچہ " صحیح " حدیث کی تعریف محدثین نے اس طرح کی ہے ۔

" جو ایک متدین اور قوی حافظے کے مالک راوی سے مروی ہو اس طرح کہ نہ تو سند میں کہیں " انقطاع " ہو ' نہ وہ حدیث " شذوذ " کی حامل ہو اور نہ اس میں کوئی علت پائی جائے ۔ "

خلاصہ بحث

یہاں ہمارے لئے علم حدیث کی تمام تفصیلات کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے ۔ خصوصاً جرح و تنقید کی اس سائنس کا جسے محدثین کرام نے ترقی دے کر انتہائی بلندیوں پر پہنچا دیا ۔ اس باب میں ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ درحقیقت ان کی

کاوشوں کا ایک سادہ سا خاکہ ہے۔ لیکن بہرحال اسی سے ان کے اعلیٰ ترین علمی اور تحقیقی کاموں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ مواد اس موضوع پر ایک عام آدمی کے اس اطمینان کے لئے انشاء اللہ بہت کافی ہے۔ کہ "حفاظت حدیث" کا مقصد اس امت کی طرف سے اتنی احتیاط، باریک بینی اور احساس ذمہ داری کے ساتھ حاصل کیا گیا ہے کہ کسی بھی دوسری قوم میں اس جیسے کسی دوسرے علم کی مثال نہیں ملتی۔ ایسی ہی کاوشوں کے ذریعے قرآن پاک کی لفظا و معنا حفاظت کا آسمانی وعدہ اپنی تکمیل کو پہنچا ہے۔